ترکِ موالات اور احکامِ اسلام

از

سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

التماس ضروری

ایھا الاحباب !

السلام علیکم

مَیں نے یہ رسالہ محض ہمدردی احباب کو مدِّنظر رکھ کر لکھا ہے اور اُمید کرتا ہوں کہ اس کے ذریعہ ہر ایک وہ شخص جو قرآن کریم اور ارشادات نبویؐ کا شیدائی ہے ترک موالات کے مسئلہ کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے قابل ہو جائے گا لیکن میری غرض اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک یہ رسالہ تمام ایسے لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچے جن کو اس مسئلہ سے ایک یا دوسرے رنگ میں دلچسپی ہے۔ پس میری ان تمام اصحاب سے جو ملت خیر الانامؐ سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے احیاء کے متمنی ہیں۔ درخواست ہے کہ وہ اس رسالہ کو جہاں تک ہو سکے اپنے دوستوں، واقفوں، شناساؤں اور ہم وطنوں تک پہنچائیں۔ اور اس خطرناک رَوْ کے روکنے میں پوری سعی کریں جو اسلام کے بدنام کرنے کا باعث ہو رہی ہے اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کے مٹانے کا ذریعہ بن رہی ہے۔ یہ وقت غفلت کا نہیں ہے۔ اسلام پہلے ہی بہت صدمہ خوردہ ہے اور اس کی پاک اور پُر امن تعلیم پر پہلے ہی نہایت میلے کچیلے غلاف ڈالے جا چکے ہیں اب زیادہ تعلّل قابلِ برداشت نہیں۔ پس اُٹھو اور بلا کسی ملامت کے خوف اور لوگوں کے طعنوں کے ڈر کے اس کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ بے شک لوگ آپ کو ترک موالات کے مخالف کی وجہ سے بزدل کہیں گے اور خوشامدی نام رکھیں گے لیکن اگر اسلام کی محبت کے لئے آپ یہ کام کریں گے تو یہ باتیں آپ کا نقصان نہیں کر سکتیں۔ وہ شخص بہادر نہیں ہوتا جو بزدل کہلانے سے ڈر جاتا ہے اور نہ وہ بزدل ہوتا ہے جو حق کو اس لئے نہیں چھوڑ دیتا کہ لوگ اسے بزدل کہیں گے۔

خاکسار

میرزا محمود احمد

ترکِ موالات اور احکامِ اسلام

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھوالناصر

ہندوستان کی موجودہ بے چینی

ان ایام میں تمام ہندوستانیوں میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً جو بے اطمینانی اور جوش پھیل رہا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی انسان اس کی طرف سے آنکھ بند کر رکھے تکلیف اور دُکھ تو غیر کا بھی نہیں دیکھا جاتا کجا یہ کہ اپنے بھائیوں اور اہلِ وطن کا۔ پس اس غیر مطمئن اور گھبراہٹ کی حالت کو دیکھ کر جو مسلمانوں پر خصوصاً اور باقی اہل ہند پر عموماً طاری ہے ایک دردمند دل درد محسوس کئے بغیر اور اس سے نجات دلانے کے لئے جدوجہد کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔

بے چینی کی وجوہات

اس غیر مطمئن حالت کی دو بڑی وجوہ بیان کی جاتی ہیں ایک وہ فیصلہ جو ترکی حکومت کے متعلق اتحادی حکومتوں نے کیا ہے اور ایک وہ ہتک آمیز اور سخت رویہ جو شورش پنجاب کے وقت بعض افسران گورنمنٹ نے اختیار کیا تھا اور جس کی بڑی مثالیں رینگ کر چلنے کا حکم اور جلیانوالہ باغ کے واقعات ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں معاملوں میں گورنمنٹ اور گورنمنٹ کے افسران سے ضرور غلطی ہوئی ہے۔ اوّل الذکر فیصلہ میں بعض ان امیدوں کو جو خود وزراء انگلستان نے بلا مسلمانانِ عالم کے مطالبہ کے دلائی تھیں پورا نہیں کیا گیا اور یقیناً ترکوں سے وہ سلوک نہیں کیا گیا جو دوسری مسیحی حکومتوں

سے کیا گیا ہے۔ ترک مجرم سہی مگر وہ اتنا مجرم نہ تھا جتنا کہ جرمن۔ لیکن جرمن سے جو سلوک روا رکھا گیا ہے اس قدر سلوک بھی ترک سے نہیں کیا گیا اور یہ عمل ان اعلانوں کے باوجود ہؤا ہے جو اس سے پہلے شائع کئے جا چکے تھے اور جن میں بالکل برعکس فیصلہ کی اُمید دلائی جاتی تھی۔

اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ (رینگ کر) چلنے کا حکم ایسا وحشیانہ اور ظالمانہ ہے کہ کوئی شخص بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا اور اس کے خلاف اگر ہندوستانیوں کو غصہ پیدا ہو تو یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ اسی طرح جلیانوالے باغ کے واقعہ میں بھی جس سختی سے کام لیا گیا ہے وہ نہایت ہی قابل افسوس ہے اور جنرل ڈائر کا یہ قول کہ وہ اس لئے گولیاں چلاتے گئے کہ تا ملک کے دوسرے حصہ پر اثر ہو اور بغاوت فرو ہو جاوے ان کے مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ یہ بیان کہ جنرل ڈائر کا فعل اجتہادی غلطی ہے درست نہیں۔ کیونکہ اجتہادی غلطی وہ ہوتی ہے کہ جس کا وقوع ایسے حالات میں ہو کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے دونوں کے دلائل موجود ہوں لیکن اس جماعت پر گولیاں چلانا جو ہتھیار ڈال چکی ہو اور اپنے عمل سے اپنی غلطی کا اقرار کر رہی ہو خود میدانِ جنگ میں بھی جائز نہیں۔ جب کوئی فوج ہتھیار ڈال دے تو اس پر وار کرنا جائز نہیں۔ بارہا جرمن فوجوں کے خلاف یہ خبر شائع کی جاتی تھی کہ بعض جگہ صُلح کی جھنڈیاں دیکھ کر بھی وہ گولہ باری سے باز نہیں آتے تھے اور اس طرح ان کا وحشیانہ پن ثابت کیا جاتا تھا۔ پھر وہی بات جو میدان جنگ میں بھی ناجائز تھی ایک ایسی جماعت کے مقابلہ میں کس طرح جائز ہو سکتی تھی جو گو احکام کی خلاف ورزی کرنے والی تو ضرور تھی لیکن نہ تو ان معنوں میں برسرِ جنگ تھی جن معنوں میں کہ ایک فوج دوسری فوج سے برسرِ جنگ ہوتی ہے اور نہ مارشل لاء کے قواعد سے واقف تھی کیونکہ یہ قانون ان کی زندگی میں پہلی دفعہ جاری ہؤا تھا۔

اور ایک تجربہ کار جرنیل اس امر سے کس طرح ناواقف ہو سکتا تھا؟ کہ جب ایک فوج ہتھیار ڈال دے تو دوسری فوجوں پر رُعب ڈالنے کے لئے اس پر گولیاں چلانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ہیگ کنونشن میں صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس دشمن کو زخمی کرنا یا مارنا جس نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے ہوں یا جس کے پاس اپنی حفاظت کا کوئی سامان نہ رہا ہو اور اس نے مقابلہ ترک کر دیا ہو بالکل ناجائز ہوگا۔ اسی طرح یہ کہ یہ اعلان کر دینا کہ خواہ دشمن مقابلہ ترک ہی کر دے اس سے رحم کا سلوک نہ کیا جاوے گا جائز نہ ہوگا۔ مارشل لاء کے قوانین میں یہ شرط ہے کہ فوجی قوانین کا لحاظ کیا جاوے اور بلووں کے دبانے کے لئے جو اختیارات فوجیوں اور پولیس کو دیئے گئے ہیں ان میں کہیں نہیں لکھا کہ ان کا کام یہ ہے کہ رُعب ڈال

کر بلوہ کو مٹائیں۔ بلکہ ان کا کام ہر فساد کے موقع پر اس خاص صورت کا لحاظ کرنا ہے جو اس وقت ان کے سامنے ہے۔ اور جان لینا اسی وقت جائز رکھا گیا ہے جب کہ باغی جائیداد تباہ کر رہے ہوں یا قتل و غارت میں مشغول ہوں یا افسروں کے احکام کے باوجود اجتماع کو پراگندہ نہ کریں اور پراگندہ کرنے کی کوشش میں سرکاری آدمیوں کا مقابلہ کریں۔ لیکن یہ صورت جلیانوالہ باغ میں پیدا نہ تھی لوگ پراگندہ ہونے شروع ہو گئے تھے اور ان کے بھاگنے پر ان پر گولیاں چلانا نہ فوجی قانون کے لحاظ سے جائز تھا نہ ملکی قانون کے لحاظ سے اور اس میں تجربہ کار جرنیل کو دھوکا نہیں لگ سکتا تھا۔

یہ واقعات واپس نہیں ہو سکتے

غرض یہ دونوں واقعات ضرور ظالمانہ تھے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کوئی قوم ان گذشتہ واقعات کو جو ہو چکے ہوں پھیر سکتی ہے؟ یقیناً جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اور اب اس فعل کو واپس نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس اعلان کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جو حضور قیصرِ ہند کی طرف سے پچھلے سال شائع ہوا تھا اور اس بات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کہ ہندوستانیوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے اس موقع پر قانون کی اس طرح پابندی نہیں کی جس طرح کہ کرنی چاہئے تھی رہا کر دیئے گئے ہیں اور ان کے جُرم معاف کر دئے گئے ہیں۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ان گذشتہ واقعات کی تاریک یاد کو دل سے نکال دیں اور آئندہ کی بہتری کی طرف توجہ کریں۔

اے عزیزو! صُلح اور محبت ایک پاک چیز ہے اور فساد اور فتنہ ناپاک ہے۔ خدا کا پیارا بننے کے لئے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کے لئے محبّت اور عفو کا پیدا کرنا ضروری ہے خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۱) یعنی جو شخص درگزر کرتا ہے اور اصلاح سے کام لیتا ہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ تمہاری خفگی اور غصہ کی جو غرض تھی وہ پوری ہو گئی۔ وہ لوگ جن سے یہ افعال ہوئے تھے ان کے افعال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا گورنمنٹ نے اس بات کا عہد کر لیا کہ آئندہ پوری احتیاط کی جاوے گی اور اس قسم کے واقعات نہ ہونے دیئے جاویں گے۔ اس اخلاقی فتح سے زیادہ اور آپ لوگ کیا حاصل کر سکتے تھے؟ اگر جنرل ڈائر کو کوئی قتل بھی کر دے یا بعض اور افسروں کو مار ڈالا جائے تو کیا یہ بات اس سے زیادہ ہوگی جو اب آپ لوگوں کو حاصل ہوئی ہے یعنی ان کے افعال کو غیر منصفانہ قرار دیا گیا ہے۔ ان کو ملازمتوں سے ریٹائر کر دیا گیا ہے اور آئندہ کے لئے ایسے واقعات کو روکنے کے لئے گورنمنٹ نے وعدہ دیا ہے اور اس کے لئے قواعد بھی بنا دیئے ہیں۔

جنرل ڈائر کے حامیوں اور ان کے مخالفین کی غلطی

یہ سچ ہے کہ بعض انگریز تعصب کی وجہ سے جنرل ڈائر کی مدد کے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں لیکن اے عزیزو! یہ غلطی آپ سے بھی ہوئی ہے کہ جلیانوالہ باغ کے مقتولوں کی یادگار کو آپ نے بھی تازہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ بے شک یہ ان لوگوں پر ظلم ہوا کہ باوجود اس کے کہ انہوں نے جلسہ کو منتشر کرنا چاہا اور اس جگہ سے جانے کے لئے تیار ہو گئے، ان پر گولیاں برسائی جاتی رہیں اور دوسروں پر رُعب ڈالنے کے لئے وہ قربان کئے گئے۔ مگر اے عزیزو! کیا اس میں کوئی شک ہے کہ گو ان کی یہ سزا نہ تھی جو دی گئی مگر کیا وہ حکومت کے قوانین کو توڑنے والے نہ تھے۔ جس طرح جنرل ڈائر کی یاد کو تازہ رکھ کر بعض انگریز غلطی کر رہے ہیں اور اس کے فعل کو پسند کر کے ظلم کے مؤید بن رہے ہیں اور اپنی قوم پر ایک دھبہ لگا رہے ہیں۔ اسی طرح کیا وہ لوگ غلطی نہیں کر رہے جنہوں نے جلیانوالہ باغ کے مقتولوں کے لئے چندہ جمع کیا اور کیا وہ یادگار جو اس روپیہ سے قائم کی جائے گی ہمیشہ کے لئے ہندوستان کی آئندہ نسلوں کو اس امر کی طرف متوجہ نہ کرے گی کہ حکومت کے قوانین کو توڑنے میں کوئی ہرج نہیں ہوتا؟ اور کیا آئندہ جب ہندوستان کو حکومت خود اختیاری ملے گی تو ہم میں سے بعض کا یہ فعل اس حکومت کے انتظام میں خلل ڈالنے والا نہ ہوگا؟ بے شک بعض کہیں گے کہ ظالمانہ حکم کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ ایک ہی حکم کو ایک شخص ظالمانہ اور دوسرا غیر ظالمانہ قرار دیتا ہے اور یہ بات لوگوں پر چھوڑ دینا کہ وہ ظالمانہ یا غیر ظالمانہ احکام میں آپ ہی امتیاز کر لیا کریں اور جو حکم ان کو ظالمانہ نظر آوے اس کی پابندی نہ کیا کریں ایسا خطرناک قدم ہے کہ اس کے اُٹھاتے ہی انسان امن و صلح کے میدان سے نکل کر فساد و شورش کے علاقہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ظالمانہ فعل وہی ہے جس کا اختیار قانون کسی کو نہ دیتا ہو اور اگر قانون ہی کسی فعل کو جائز قرار دیتا ہے تو خواہ وہ ظالمانہ نظر آوے اس کا توڑنا خلاف اصل ہے۔ ظلم برداشت کر سکنے کی طاقت خود ایک تربیت ہے جو مدارج عالیہ کے حصول کے لئے ضروری ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسے قانون کی پابندی نہیں کر سکتا تو اس کا فرض ہے کہ ملک کا امن تباہ کرنے کی بجائے خود اس ملک کو چھوڑ کر چلا جائے اور دوسروں کے امن کو برباد نہ کرے۔

پس اے برادران! یہ دونوں فعل نادرست ہیں۔ جنہوں نے جنرل ڈائر کی حمایت کی یا زمین پر رینگنے کے حکم کو جائز قرار دیا یا جنہوں نے جنرل ڈائر کی مدد کے لئے چندہ جمع کیا انہوں نے ظلم کی حمایت کی اور عدل و انصاف کو قومی تعصب پر قربان کر دیا بلکہ اپنے قومی فوائد کو دھڑہ بندی پر قربان کر دیا۔ اسی طرح

جنہوں نے جلیانوالہ باغ کے مقتولین کی یادگار کے لئے چندہ جمع کیا انہوں نے بھی قانون شکنی کے فعل کو سراہا اور آئندہ کے لئے لوگوں کو حکومت کے احکام کو پس پشت ڈالنے کی ترغیب دے کر ہندوستان کے مستقبل کو تاریک کرنا چاہا۔ پس ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ اگر قانون شکنی کی روح کو اس طرح پیدا کیا گیا تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ گورنمنٹ برطانیہ کا خیال دل سے نکال کر یہ تو سوچو کہ اگر ہندوستانیوں کی اپنی حکومت ہو تو کیا تم اس کو جائز سمجھو گے کہ حکومت کے جس حکم کو کوئی درست نہ سمجھے اس کو رد کر دے اور اس کا مقابلہ کرے؟ کیا کسی حکومت کا کوئی بھی حکم ہے کہ جسے ساری کی ساری رعایا درست سمجھتی ہو؟ پھر کیا جو لوگ کسی حکم کو درست نہ سمجھیں ان کا حق ہے کہ اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیں؟ اگر یہ طریق جائز قرار دیا جائے تو کیا کوئی حکومت بھی جو خواہ کیسی ہی آزاد اور کیسی ہی اعلیٰ ہو قائم رہ سکتی ہے؟ ذرا سوچیں تو سہی کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ کیا آپ پسند کریں گے؟ کہ ہندوستان کی حکومت مثلاً یہ حکم دے کہ چور کو قید کیا جائے لیکن ایک مسلمان جس کے مذہب میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہ اس حکم کو غیر منصفانہ اور ظالمانہ قرار دے کر خود چور کے ہاتھ کاٹ دے۔ یا ہندوستان کی حکومت زانی کو قانونی مجرم نہ قرار دے تو ایک مسلمان اس کو اپنے طور پر پکڑ کر رجم کر دے۔ یا اور اسی قسم کے معاملات میں جو جس حکم کو ظالمانہ سمجھے اس کے خلاف کرنے لگ جائے۔ یاد رکھیں کہ وہی ملک ترقی کر سکتا ہے جس میں قانون کے احترام کا مادہ ہو۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ آپ لوگوں کا کیا خیال ہو گا۔ مگر میں اپنی نسبت کہہ سکتا ہوں کہ مَیں تو اپنی اولاد کے متعلق ہرگز یہ پسند نہ کروں گا کہ وہ کبھی بھی کسی حکومت کے احکام کو ظالمانہ قرار دے کر ان کی تعمیل سے انکار کر دے۔ ہاں مَیں یہ پسند کروں گا کہ اگر وہ فی الواقع کسی حکومت کو ظالم سمجھتی ہے تو اپنے منافع کا خیال چھوڑ کر اس کی حدود سے باہر نکل جائے اور دنیوی فوائد کو اپنے ضمیر کی تسلّی پر قربان کر دے۔ ہاں یہ بھی ضرور ہے کہ اس امر کا خیال بھی رکھ لے کہ کبھی انسان فیصلہ کرنے میں غلطی بھی کرتا ہے پس چھوٹے چھوٹے امور پر اور جلد بازی سے غصہ میں نہ آجاوے۔

شائد بعض لوگ کہہ دیں کہ تم میں وہ قومی جوش اور غیرت نہیں ہے جو ہم میں ہے۔ مگر انہیں یاد رہے کہ قومی غیرت اس چیز کا نام نہیں کہ انسان موقع بے موقع طیش میں آجایا کرے اور اس غصہ کی حالت میں خود اپنی قوم کے اخلاق پر دھبہ لگا دے بلکہ قومی غیرت اس کا نام ہے کہ انسان اپنے جوشوں پر قابو رکھے اور اپنی قوم کے نام کو خلافِ مذہب اور خلافِ اخلاق اور خلافِ تمدن افعال کے الزام سے پاک رکھے۔ پس قومی غیرت کا فقدان نہیں بلکہ خود قومی غیرت مجھے اس امر پر مجبور کرتی ہے کہ ہندوستان کے نیک نام کی حفاظت کروں اور یہ میرے رب کی محبت ہے جو مجھے آمادہ کرتی ہے کہ مَیں اس کے بندوں

کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کروں۔ مجھے گورنمنٹ سے کیا فائدہ ہے کہ میں اس کی تائید کروں؟ گورنمنٹ کا ہمارے خاندان سے تحریری وعدہ تھا کہ وہ اسے کسی وقت پھر اس کی پُرانی شوکت پر قائم کرنے کی صورت کرے گی لیکن ہم تو اس کے ان پُرانے وعدوں سے بھی فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے اور اسے وہ وعدہ یاد دلانے میں بھی اپنی ہتک خیال کرتے ہیں کجا یہ کہ اس سے اور کچھ مانگیں یا اگر وہ دے تو اسے قبول کریں۔ پس میری نصیحت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اور اپنے ملک کے نیک نام کے قائم رکھنے کے لئے ہے نہ کسی اور غرض سے۔

غرض اے بھائیو! حق یہی ہے کہ جلیانوالہ باغ کا جلسہ کرنے والوں نے قانون شکنی کی اور ان کے غلطی کا عملی طور پر اعتراف کر لینے پر بھی گولیاں چلاتے جانے والے نے ظلم سے کام لیا۔ مگر جب حکومت نے اس غلطی کا اعتراف کر لیا اور آئندہ کے لئے وعدہ کر لیا کہ ایسا نہ ہوگا تو پھر ہمارا اس تلخ یاد کو تازہ رکھنا مذہباً اور اخلاقاً ایک مذموم فعل ہے اب ہمیں اس واقعہ کو بھلا کر محنت اور کوشش سے امن کو قائم کرنا چاہئے۔ یہی اسلام کا مدعا ہے اور اسی کی تعلیم ہر ایک مذہب اپنے اپنے رنگ میں دیتا ہے۔

ترکی کے متعلق اتحادیوں کا فیصلہ

شورش پنجاب کے متعلق تو مَیں اس وقت اسی قدر لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے اس وقت ایک ایسے امر کے متعلق کچھ لکھنا ہے جو اس واقعہ سے بھی زیادہ لوگوں کے اندر بے اطمینانی پیدا کر رہا ہے میری مراد اس سے وہ فیصلہ ہے جو اتحادی دُوَل نے ترکی حکومت کے متعلق کیا ہے۔

مَیں لکھ چکا ہوں کہ ترکی حکومت کے مستقبل کے متعلق فیصلہ کرتے وقت اتحادی دُوَل نے اس دُور اندیشی سے کام نہیں لیا جس کا یہ امر مستحق تھا وہ کہتے ہیں کہ ہم دُور اندیشی کی وجہ سے مجبور تھے کہ یہی فیصلہ کرتے جو ہم نے کیا ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فیصلہ بزبانِ حال پکار رہا ہے کہ اس کے کرتے وقت دُور اندیشی اتحادی نوابوں کے قریب بھی نہیں پھٹکی۔ وہ بیٹھے تو اس غرض سے تھے کہ آئندہ کے لئے فسادات کا امکان جاتا رہے مگر کام ان سے وہ ہؤا ہے جس نے کروڑوں آدمیوں کے دلوں میں آگ لگا دی ہے اور جس کی موجودگی میں وہ اس امن کے امیدوار نہیں ہو سکتے جس کے وہ خواہشمند تھے۔ کوئی شخص آگ بھڑکا کر ٹھنڈک نہیں پیدا کر سکتا نہ قومی اور مذہبی عناد کو اُبھار کر صلح کی امید رکھ سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں اور کم سے کم میرا یہ یقین ہے کہ گو مذہبی تعصب اس معاہدہ کو جو ترکوں سے کیا گیا ہے باعث نہیں مگر مذہبی تعصب کا اثر اس معاہدہ پر ضرور ہے اور یہی سبب ہے کہ اس کی شرائط ان اُصول کے خلاف ہیں جو اتحادیوں نے خود ہی مقرر کئے تھے جیسا کہ میں اپنے مضمون بنام "معاہدہ ترکیہ

اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ" میں لکھ چکا ہوں۔ بعض ممالک ترکوں سے ایسے لے لئے گئے ہیں جو ان سے نہیں لینے چاہئیں اور بعض اور علاقوں کو وہ آزادی نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ آرمینیا باوجود وحشی ہونے کے آزاد ہے لیکن شام اور عراق اب تک اس آزادی کو حاصل نہیں کر سکے حالانکہ آرمینی جس وقت بے بس مسلمانوں کے گلے کاٹنے میں لگے ہوئے تھے اس وقت عرب اتحادیوں کی مدد کے لئے اپنے گلے کٹوا رہے تھے۔ امیر فیصل جس نے اپنے آرام اور اپنے چین کو اتحادیوں کے لئے قربان کر دیا تھا اس کے ساتھ سخت وعدہ خلافی کی گئی ہے اور وہ آج کسمپرسی کی حالت میں ہے کوئی اس کا پرسان حال نہیں۔

اتحادیوں نے وعدے ان معنوں میں پورے نہیں کئے جو سمجھے جاتے ہیں

یہ بات بھی درست ہے کہ اتحادی وزراء کے وعدے ان معنوں میں پورے نہیں ہوئے جو معنی کہ اس وقت ان کے سمجھے جاتے تھے جب ان کا اعلان ہوا تھا اور گو وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت بھی ہمارا یہ مطلب نہ تھا جو لوگ سمجھتے ہیں مگر وہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ لوگ تو وہی معنی سمجھ سکتے ہیں جو الفاظ سے ظاہر ہوں تاویلات بعیدہ لوگوں کے ذہن میں کیونکر آسکتی ہیں اور ایسے خطرناک موقع پر جب جنگ ہو رہی تھی اگر کوئی ان کے الفاظ پر یہ اعتراض کر بھی بیٹھتا کہ ان کے اور معنی بھی ہو سکتے ہیں تو خود یہی وزراء اس شخص کے اس فعل کو ناپسند کرتے اور فساد پھیلانے والا قرار دیتے۔ پس اگر انہوں نے باوجود علم و فضل کے ایسے الفاظ استعمال کئے تھے جن کے عام طور پر اور ہی معنے سمجھے گئے اور پھر انہوں نے ان معنوں کی دوسرے اوقات میں بھی تردید نہیں کی تو اس غلطی کے ذمہ دار وہی وزراء ہو سکتے تھے نہ کہ دوسرے لوگ اور ان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ اپنے ملک کی عزت کی حفاظت اور اس کے نیک نام کے قائم رکھنے کے لئے ایسا فیصلہ کرتے جو لوگوں کے دل سے ان کا اعتبار نہ نکال دیتا اور اس احترام کو صدمہ نہ پہنچاتا جو اس ملک کو جس کی خدمت کا بوجھ ان پر رکھا گیا تھا اس سے پہلے حاصل تھا۔

اتحادیوں کے فیصلہ کی اصلاح کیلئے کیا کرنا چاہئے

مگر اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کے فیصلہ کی اصلاح کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ میں اس سوال پر اس سے پہلے اپنے مضمون "معاہدہ ترکیہ" میں کافی بحث کر چکا ہوں مگر چونکہ اب سوال نے ایک نیا رنگ اختیار کر لیا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے مجھے علم دیا ہے اس کے مطابق میں اپنے بھائیوں کی رہنمائی کروں تا وہ لوگ جو ناواقف ہیں واقف ہو جائیں اور تا ایسا نہ ہو کہ غلطی سے لوگ ایسا رستہ اختیار کر لیں جو ان کی ہلاکت کا موجب ہو۔

کیا اب صبر کر کے بیٹھ رہنا چاہئے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ امر اب طے ہو چکا ہے اس لئے ہمیں صبر سے اسے تسلیم کر لینا چاہئے۔
میرے نزدیک یہ لوگ صبر کے صحیح معنوں کو نہیں سمجھتے۔ صبر اسے نہیں کہتے کہ جو واقعہ ہو جائے اس کی اصلاح کی فکر نہ کی جاوے بلکہ بعض دفعہ ایسے امر کی جو ہو چکا ہو اصلاح ضروری ہوتی ہے اور اس کی اصلاح نہ کرنی یا اس کے لئے کوشش نہ کرنا کم ہمتی پر دلالت کرتا ہے۔ ہر کام جو ہو چکا غیر مبدل نہیں ہوتا۔ غیر مبدل وہی کام ہوتا ہے جس کی اصلاح ناممکن ہو۔ مثلاً کسی نے کسی کو گالی دی ہے یا مارا ہے تو اس فعل کو لوٹایا نہیں جا سکتا ایسے فعل کو یاد رکھنے سے اگر نقصان ہوتا ہو یا بھلانے سے فائدہ ہوتا ہو تو اچھی بات یہی ہے کہ اسے بھلا دیا جائے اور اس کا تذکرہ ہی نہ کیا جائے لیکن مثلاً اگر کسی نے کسی کی کوئی چیز چھین لی ہے جو ضائع نہیں ہو گئی بلکہ چھیننے والے کے پاس موجود ہے اور اس شخص نے وہ چیز اسے دے بھی نہیں دی تو جائز اور صحیح ذرائع سے اس کے واپس لینے کی کوشش کرنا منع نہیں ہے اور معاہدہ ترکیہ کا مسئلہ اس دوسری قسم کے امور میں سے ہے۔ ترکوں سے جو ممالک لئے گئے ہیں وہ اب بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی موجود رہیں گے۔ پس اس تصفیہ میں تغیر ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں ہے اس لئے اس کے متعلق یہ کہہ دینا کہ صبر کرو اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک صبر کرنے کے لئے کافی وجوہات نہ ہوں اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس موقع پر صبر اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔

ہجرت اور ترکِ موالات

دوسری رائے یہ دی جاتی ہے کہ انگریزی علاقہ سے ہجرت کی جاوے یا ان سے ترک موالات کیا جائے میں نے اپنے رسالہ معاہدہ ترکیہ میں بتایا تھا کہ یہ دونوں آراء درست نہیں ہجرت کے متعلق میں نے لکھا تھا کہ اوّل تو شرعاً یہ موقع ہجرت کا ہے ہی نہیں۔ دوم اگر خلاف شریعت ہجرت کی بھی گئی تو اس کے سامان چونکہ آپ لوگوں کے پاس نہیں ہیں اس کا نقصان پہنچے گا اور دشمنوں کو ہنسی کا موقع ملے گا۔ پھر افغانستان میں گنجائش بھی نہیں ہوگی آخر یہی ہؤا افغانستان میں مہاجرین کی گنجائش نہ نکلی ہزاروں واپس آئے ہزاروں مر گئے جو باقی ہیں ان کی حالت بھی بُری ہے اپنے گزارہ کے لئے یہاں سے روپیہ طلب کر رہے ہیں۔

ترکِ موالات کے متعلق تفصیلی بحث

دوسری صورت ترکِ موالات کی بتائی جاتی ہے اس کے متعلق میں نے لکھا تھا کہ یہ ناقابلِ عمل اور موجبِ فساد ہے مگر چونکہ اب اس مسئلہ نے بہت اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اس لئے دوبارہ میں اس کے متعلق تفصیلی طور پر اپنی تحقیق بیان کرنی چاہتا ہوں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ دُنیا میں دو قسم کے اُمور ہوتے ہیں ایک وہ جو شریعت کے ماتحت ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو مصلحتِ وقت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ جو امور کہ شریعت کے ماتحت ہوں جب وہ حالات پائے جاویں جن میں شریعت نے ان کے کرنے کا حکم دیا ہے تو ان لوگوں کا جنہیں ان کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو فرض ہوتا ہے کہ وہ ان احکام کو پورا کریں خواہ جان جاوے، خواہ مال قربان ہو، خواہ عزیز و اقارب ضائع ہوں بغرض صرف ان ہی عذرات سے ان احکام کو چھوڑا جا سکتا ہے جن کو خود شریعت نے عذر قرار دیا ہے ان کے سوا عذرات پر خواہ وہ کسی قدر ہی بڑے کیوں نہ ہوں ان احکام کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً جہاد کا حکم ہے جب جہاد کا حکم شریعت دے گی تو اندھے لنگڑے، لُولے، ایسے مریض جو چل پھر نہیں سکتے یا بالکل بوڑھے، عورتیں اور بچے تو اس سے معذور ہوجاویں گے۔ مگر ایک شخص جس کا دس کروڑ کا مال ضائع ہو رہا ہو وہ بغیر اجازت امام کے معذور نہیں قرار پا سکتا غرض جسمانی نقص کے سوا کوئی روک تسلیم نہیں کی جاوے گی۔ لیکن وہ امور جو شریعت کے ماتحت نہیں ہوتے بلکہ ان کا کرنا نہ کرنا ہماری مرضی پر منحصر ہوتا ہے ان کے کرتے وقت مصلحت وقت کا دیکھنا ضروری ہوتا ہے اگر ان کے کرنے کی نسبت نہ کرنے میں فائدہ ہے تو ان کا نہ کرنا بہتر ہوگا۔ اور اگر نہ کرنے سے کرنے میں فائدہ ہے تو کرنا بہتر ہوگا۔ شرعی حکم کی موجودگی میں یہ کہنا کہ اس کام کے کرنے میں بڑا نقصان ہوگا جہالت ہے اور کمی ایمان کی علامت ہے۔ جب خدا کا حکم ہے تو خواہ کچھ ہو جائے اس کو کرنا چاہئے۔ لیکن جہاں شرعی حکم کوئی نہ ہو وہاں نقصان کی زیادتی کو دیکھ کر بھی کسی کام کے کرنے پر اصرار کرنا نادانی ہے کیونکہ جب شرعی حکم کوئی نہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اپنے اور اپنی قوم کے فوائد کو ملحوظ رکھیں۔

ترکِ موالات کے مسئلہ میں پیچیدگیاں اور ان کا حل

میں نے جہاں تک سوچا ہے، ترک موالات کے متعلق بحث کرتے وقت اس مذکورہ بالا اصل کو اچھی طرح نہیں سمجھا گیا اس لئے اس مسئلہ کے متعلق جس قدر بحثیں ہو رہی ہیں وہ دن بدن زیادہ پیچیدہ ہوتی جاتی ہیں کیونکہ کبھی تو اس کو دینی مسئلہ قرار دیا جاتا ہے اور جب اس میں کوئی مشکل پیش آجاتی ہے تو اسے ایک سیاسی اور ملکی سوال قرار دیا جاتا ہے یا اس کے اُلٹ طریق اختیار کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس مسئلہ کا حل نہایت مشکل ہو گیا ہے۔ حالانکہ مناسب یہ تھا کہ اس مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر الگ الگ نظر ڈالی جاتی۔ پہلے اس بات کو دیکھا جاتا کہ کیا ترک موالات شرعی حکم ہے؟ اگر وہ شرعی حکم ثابت ہو جاتا تو پھر بلا نتیجہ کے خوف کے اس پر عمل شروع کر دیا جاتا اور اگر شرعی حکم ثابت نہ ہوتا تو پھر یہ سوچا جاتا کہ آیا ترک موالات ہمارے لئے زیادہ مفید ہے یا اس کے سوا اور

کوئی راہ ہے جس کے ذریعہ ہم اپنا مدعا حاصل کر سکتے ہیں؟ جب تک اس مسئلہ کے متعلق اس طریق کو اختیار نہ کیا جاوے گا۔ یعنی اس کے شرعی اور سیاسی پہلوؤں پر الگ الگ نظر نہ ڈالی جاوے گی کبھی صحیح نتیجہ نہ نکلے گا اور ہمیشہ اس پر گفتگو کرنے والے زیادہ سے زیادہ الجھنوں میں پڑتے چلے جاویں گے نہ مؤیّد اس کی صداقت کو ذہن نشین کرا سکیں گے نہ مخالف اس کی غلطی کو آشکار کر سکیں گے۔ پس اس مسئلہ پر غور کرتے وقت اس امر کو ہمیشہ مدِّنظر رکھنا چاہئے تاکہ خلطِ مبحث نہ ہو۔ اس مسئلہ کی مشروعیت پر الگ غور کیا جاوے اور اس کی مصلحت پر علیحدہ۔ چونکہ اس وقت مسلمانوں کو عام طور پر بتایا جاتا ہے کہ اس وقت حکومت ہند سے ترک موالات کرنا ایک شرعی فرض ہے اور عوام الناس میں اس کی مشروعیت کے خیال سے ہی جوش پیدا ہو رہا ہے اس لئے اس مسئلہ پر کوئی تحریر اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی اور نہ زیادہ فائدہ مند ہو سکتی ہے جب تک وہ اس مسئلہ کے شرعی پہلو پر کافی روشنی نہ ڈالے اور چونکہ مسلمانوں کے علاوہ دوسری اقوام اس مسئلہ کے شرعی پہلو سے اس قدر تعلق نہیں رکھتیں جس قدر کہ اس کے عملی پہلو سے اس لئے کوئی تحریر اس وقت تک بھی مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں اس کے عملی پہلو پر بھی بحث نہ کی جاوے۔ پس میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں ترک موالات کے دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالوں۔ لیکن علیحدہ علیحدہ تاکہ خلط مبحث نہ ہو۔ اور ہر ایک شخص آسانی سے سمجھ سکے کہ شریعت اس معاملہ میں ہم سے کیا چاہتی ہے اور اگر شریعت ہم سے اس معاملہ میں کچھ مطالبہ نہیں کرتی تو مصلحت وقت کس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ اوّل میں اس مسئلہ کے شرعی پہلو کو لیتا ہوں۔

ترکِ موالات کے معنی

کسی سوال کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے سوال کا سمجھ لینا ضروری ہوتا ہے اس لئے ترکِ موالات پر غور کرنے سے پہلے اس کے معنوں کو سمجھ لینا چاہئے۔ موالات کہتے ہیں دوستی کو یا کسی سے مدد لینے یا اسے مدد دینے کو۔ پس ترک موالات کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے دوستی نہ کی جائے اور نہ اس سے مدد لی جائے نہ اسے مدد دی جائے۔ مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے فتویٰ میں یہی معنے لکھے ہیں۔ پس جب کہا جاتا ہے کہ انگریزی حکومت سے ترک موالات کی جائے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ انگریزی حکومت سے نہ تو تعلق محبت رکھا جائے نہ ان سے کسی قسم کی مدد لی جائے اور نہ ان کو کسی قسم کی مدد دی جائے مگر ترک موالات کے حامی اس لفظ کو اس کے پورے معنوں میں استعمال نہیں کرتے وہ صرف اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سردست انگریزوں کے کالجوں میں تعلیم حاصل نہیں کرنی چاہئے سوائے میڈیکل کالج وغیرہ علمی کالجوں کے۔ اسی طرح ان کی عدالتوں میں مقدمات نہیں لے جانے چاہئیں۔ وکیلوں کو ان کی عدالت میں وکالت نہیں کرنی چاہئے ان کے دیئے ہوئے خطاب

واپس کر دینے چاہئیں۔

ترکِ موالات کے حق میں دلائل

ترک موالات کے سوال پر شرعی نقطہ خیال سے دو طرح بحث ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ کیا اس وقت انگریزوں سے ترک موالات کرنا ایک شرعی فرض ہے؟ اور دوسرے یہ کہ کیا شریعت ترک موالات سے روکتی تو نہیں؟ اگر بحث اسی حد تک محدود رہتی کہ شریعت نے ترک موالات کو منع نہیں کیا تو چنداں فکر کی بات نہ تھی کیونکہ جس کام سے شریعت نہ روکتی ہو نہ اس کا حکم دیتی ہو ہر شخص کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اسے کرے چاہے نہ کرے مگر اس وقت جو فتوے شائع ہو رہے ہیں ان میں یہ بتایا جاتا ہے کہ شریعتِ اسلام کے مطابق اس وقت انگریزوں سے موالات کرنی حرام ہے اور جو ان سے تعلق رکھتا ہے وہ گویا شریعت کا مجرم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس تحریک کو قبول نہ کیا تو ہم اسلام سے خارج ہو جاویں گے حالانکہ جیسا کہ میں ثابت کروں گا یہ بات نہیں ہے اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ انگریزوں سے ترک موالات کرنی ضروری اور فرض ہے۔ جو فتوے کہ اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل آیات سے انگریزوں کے ساتھ ترک موالات کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۗ (المائدۃ: ۵۲) یعنی اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور مددگار مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست اور مددگار بنائے وہ بھی ان ہی میں سے ہے۔ (ترجمہ منقول از فتویٰ مولوی محمود الحسن صاحب)

۲۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ (آل عمران: ۲۹) مسلمانوں کو نہیں پہونچتا کہ وہ مومنین کے سوا کافروں کو اپنا دوست و مددگار بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کو اللہ سے کچھ تعلق نہیں۔ (ترجمہ منقول از فتویٰ)

۳۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۗ (النساء: ۱۳۹-۱۴۰) ان منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو جو مومنین کے سوا کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں حالانکہ تمام تر عزت خدا کے لئے ہے۔ (ترجمہ منقول از فتویٰ)

۴- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۝ (النساء: ۱۴۵) اے ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح لو۔ (ترجمہ منقول از فتویٰ)

۵- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ الْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (المائدۃ: ۵۸) اے ایمان والو! تم ان اہل کتاب اور کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ جنہوں نے بنا لیا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ (ترجمہ منقول از فتویٰ)

۶- تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ فِی الْعَذَابِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَ لَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ النَّبِیِّ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَا اتَّخَذُوْھُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ (المائدہ: ۸۱-۸۲) ان میں سے بہت سے تم ایسے دیکھو گے جو رفیق بنتے ہیں کافروں کے۔ بیشک برا ہے وہ جو آگے بھیجا ہے انہوں نے خود اپنے لئے کہ اللہ کا غضب ہے ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں ہیں اور اگر یقین رکھتے وہ اللہ پر اور نبی پر اور جو جو نبی کی طرف اُتارا گیا اس پر تو کافروں کو رفیق نہ بناتے لیکن ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔ (ترجمہ منقول از فتویٰ)

۷- لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ؕ وَ یُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلۃ: ۲۳) نہیں پاؤ گے تم کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ دوستی کرے ان سے جنہوں نے مقابلہ کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ایسے ہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی مدد فرمائی اور ان کو داخل کریگا باغ بہشت میں جس کے نیچے بہتی ہیں نہریں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔ یہ

جماعت ہے اللہ کی۔ یاد رکھو کہ خدا کی جماعت ہی کامیاب ہوتی ہے۔ (ترجمہ منقول از فتویٰ)

۸۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنۃ: ۲) اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو رفیق مت بناؤ۔ پیغام بھیجتے ہو تم ان کی طرف دوستی کا حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اس سچائی سے جو تمہارے پاس پہنچی ہے۔ (ترجمہ منقول از فتویٰ)

ان آیات سے استنباط کر کے یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ چونکہ انگریزوں نے مسلمانوں سے جنگ کی اور پھر ان میں سے بعض کو پکڑ کر جلا وطن کر دیا اور بعض علاقوں سے مسلمانوں کی حکومت کو اٹھا دیا جو وہ بھی اخراج کا حکم رکھتا ہے اور مسلمانوں سے یہ لوگ عداوت رکھتے ہیں اور ان کے دین کو حقیر خیال کرتے ہیں اس لئے ان سے ترک موالات کرنی ضروری ہے۔

کون سے کافروں سے ترک موالات کرنی چاہئے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان کی مدد کرنی یا ان سے مدد لینی جائز نہیں رکھی مگر ساتھ ہی اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر ایک کافر کی نسبت یہ حکم نہیں ہے کہ اس سے دوستی نہ کی جاوے یا یہ کہ اس کے ساتھ موالات نہ کی جاوے چنانچہ خود مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اپنے فتویٰ میں اور مولوی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے اپنے لیکچر میں بیان کیا ہے کہ ہندوؤں سے موالات جائز ہے حالانکہ یہ دونوں قومیں قرآن کریم کی رو سے کفار میں شامل ہیں پس جب ہندوؤں سے جو گو سیاسی طور پر انگریزوں سے ہمارے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ہمارے اہلِ وطن ہیں لیکن مذہبی طور پر مسیحیوں کی نسبت ہم سے دُور ہیں کیونکہ مسیحی ان اہلِ کتاب میں سے ہیں جن کا قرآن کریم نے نام لے کر ذکر کیا ہے اور اہلِ ہنود اگر اہل کتاب میں سے ہیں تو اس طبقہ میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے نام لے کر نہیں کیا۔ اسی طرح مسیحی بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو مانتے ہیں اور صرف ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں حالانکہ ہندو صاحبان بہت سے انبیاء کرامؑ کی نبوت کے منکر ہیں پس مذہبی نقطۂ خیال سے مسیحی ہندوؤں کی نسبت ہمارے زیادہ قریب ہیں اور جب کسی مسئلہ پر مذہبی طور پر غور کرنا ہو تو مذہبی نقطۂ خیال ہی کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ اندریں حالات اگر ہندوؤں یا سکھوں سے موالات ہو سکتی ہے تو مسیحیوں سے بدرجہ اولیٰ ہو سکتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ گو ہنود مسیحیوں سے مذہباً زیادہ دُور ہوں لیکن ہنود میں وہ بات نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے ترک موالات فرض ہوتی ہے۔ پس قرآن کریم کے حکم کے مطابق ان سے موالات کرنا منع نہیں ہے بلکہ

اچھا ہے اور اس کی تائید میں سورہ ممتحنہ کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے ۔ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الممتحنة : ۹) یعنی اللہ تم کو ان لوگوں سے جو تم سے لڑے نہیں اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ نیکی کرنے یا انصاف کا معاملہ کرنے سے منع نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۔ مگر ہم سوال کرتے ہیں کہ یہی آیت انگریزوں سے بھی ترک موالات کرنے سے روکتی ہے اور ان سے معاملات کا سلسلہ جاری رکھنے کی ہدایت کرتی ہے تو پھر ان سے ترک موالات کرنے کا کیوں فتویٰ دیا جاتا ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں فرمایا ہے کہ صرف ان ہی لوگوں سے ترک موالات کی جا سکتی ہے جو مسلمانوں سے دین کے بارے میں لڑے ہوں یا جنہوں نے ان کو اپنے ملکوں سے نکال دیا ہو یا دوسرے لوگوں کو ان کے نکالنے میں مدد دی ہو جیسا کہ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (الممتحنة : ۱۰) یعنی اللہ تعالیٰ تم کو صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جو تم سے دین کے متعلق لڑے ہوں یا انہوں نے تم کو تمہارے گھر سے نکال دیا ہو یا تمہارے نکالنے میں مدد دی ہو اور جو کوئی ایسے لوگوں سے دوستی کرے وہ ظالموں میں سے ہے ۔ اب ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ نہ تو انگریز مذہب کی خاطر مسلمانوں سے لڑے ہیں اور نہ انہوں نے مسلمانوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ یا تو اپنا دین چھوڑ دیں یا اپنے ملک سے نکل جاویں اور نہ انہوں نے اس کام میں دوسرے لوگوں کی مدد کی ہے ۔

میں نے گھروں سے نکالنے کے متعلق بھی مذہب کی شرط لگائی ہے اس لئے میرے نزدیک یہ شرط ضروری ہے کیونکہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اگر کوئی حکومت کسی مسلمان کو کسی دنیوی جرم کی سزا میں ملک بدر کر دے تو مسلمانوں کو اس حکومت سے ترک موالات کا حکم ہو جاتا ہے اسی دھوکے میں پڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمن آپ کے خلاف لوگوں کو لڑائی کے لئے اکساتے تھے انہوں نے بعض لوگوں کو ملک بدر کر دیا تھا اور ان کے دشمن کہتے تھے کہ اس نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا ہے اس لئے اس کا مقابلہ جائز ہے ۔ مگر ہمیں اس معاملہ میں قیاس کی بھی ضرورت نہیں خود قرآن کریم نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ اخراج سے مراد صرف وہ اخراج ہے جو اس لئے کیا گیا ہو کہ اس نے فلاں دین کو قبول کر لیا ہے چنانچہ اس اخراج کی تشریح جس کا اس آیت میں جو اوپر گزر چکی ہے

ذکر ہے سورہ حج میں اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں فرماتا ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ۨالَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ (الحج : ۴۰-۴۱) یعنی اجازت دی گئی ہے جنگ کرنے کی ان لوگوں کو کہ جن سے جنگ کی جاتی ہے بہ سبب اس کے کہ ان پر ظلم کئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد پر قادر ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جن کو ان کے گھروں سے اس لئے نکالا گیا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی وہ مشرک نہ تھے! اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ سورہ ممتحنہ کی آیت میں وَاَخْرَجُوْكُمْ کی آیت سے یہی مراد ہے کہ مذہبی فرض کے طور پر اسی قوم سے ترک موالات فرض ہوتی ہے جنہوں نے کسی قوم کو کسی خاص مذہب کے قبول کرنے کی وجہ سے ملک بدر کر دیا ہو۔

غرض سورہ ممتحنہ کی یہ آیت جس کو ہندوؤں کے ساتھ دوستی رکھنے کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے اس سے صرف ہندوؤں ہی سے موالات رکھنے کی اجازت نہیں نکلتی بلکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ترک موالات صرف اور صرف ان لوگوں سے کی جانی چاہئے جو مسلمانوں سے اسلام لانے کے الزام میں لڑتے ہوں اور اسلام سے پھرانے کے لئے جنگ کرتے ہوں یا ان کو اس لئے گھروں سے نکالتے ہوں کہ وہ کیوں ایک خدا کی پرستش کرتے اور سچے دین کو قبول کرتے ہیں یا اس فعل میں دوسروں کے مددگار ہوئے ہوں اور چونکہ یہ تینوں باتیں انگریزوں میں نہیں پائی جاتیں اس لئے ان سے ترک موالات درست نہیں۔

کیا ترکوں سے مذہبی جنگ کی گئی؟

کہا جاتا ہے کہ ترکوں سے جنگ ایک مذہبی جنگ تھی، لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ جنگ اصل میں ترکوں سے نہ تھی بلکہ اصل جنگ جرمن سے تھی ترک تو بعد میں جا کر شامل ہوئے ہیں اور جرمن مسیحی مذہب کے ہیں اسی طرح ان کے حلیف آسٹریا والے بھی پس یہ جنگ خالص دنیوی تھی اور اسے مذہبی جنگ نہیں کہا جا سکتا نہ ابتداء کے لحاظ سے نہ انجام کے لحاظ سے۔ مذہبی جنگ تو اسے کہتے ہیں جس جنگ کی غرض یہ ہو کہ کسی مذہب کے ماننے والوں سے اس مذہب سے توبہ کرائی جائے اور اس وقت تک اس جنگ کو بند نہ کیا جائے جب تک مخالف اپنے مذہب سے توبہ نہ کر لیں جیسا کہ قرآن کریم کفار کی جنگوں کی نسبت فرماتا ہے۔ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (البقرۃ : ۲۱۸) یعنی کفار ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے تاکہ تم کو اپنے دین سے مرتد کر دیں اگر ان کی طاقت ہو۔ یعنی گو تمہارا مرتد کر دینا تو ان کی طاقت سے باہر ہے مگر کفار کی

غرض تم سے لڑنے سے یہی ہے کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو مُرتد کر دیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ گو کفار اپنے بدارادہ میں تو خدا کے فضل سے ناکام رہے اور مسلمانوں پر فتح نہ پا سکے مگر اِکا دُکا آدمی جو ان کے قبضہ میں آگیا ہے تو انہوں نے اپنی طرف سے اس کو مُرتد کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ۔ اور یاسر رضی اللہ عنہ کی مثالیں اس امر پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالتی ہیں لیکن انگریزوں کے خلاف ان میں سے ایک بات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ وہ مذہب اسلام سے پھرانے کے لئے جنگ نہیں کرتے اگر کرتے ہیں تو دنیوی اغراض کے لئے کرتے ہیں ہم لوگ مدت دراز سے ان کے زیر حکومت زندگی بسر کر رہے ہیں کیا کوئی شخص ثابت کر سکتا ہے کہ ایک شخص کو بھی انہوں نے جبراً مسیحی بنایا ہو؟ اور کیا عراق اور شام کے لوگوں کو انہوں نے جبراً مسیحی بنانے کی کوشش کی ہے؟ پھر کیا انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یا عراق یا شام کے مسلمانوں کو مجبور کیا ہے کہ یا مسیحی ہو جاؤ یا ان علاقوں سے نکل جاؤ؟ ہم تو خود ان کے اپنے ممالک میں جاکر تبلیغ اسلام کرتے ہیں اور ان میں سے بعض سعید روحیں اسلام کو قبول بھی کرتی ہیں لیکن کبھی وہ اس امر سے ہمیں نہیں روکتے کہ کیوں مسیحیوں کو ہم مسلمان بناتے ہیں کجا یہ کہ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بناویں۔ پھر جب کوئی شرط بھی مسیحیوں میں ایسی نہیں پائی جاتی کہ جس کی وجہ سے ان سے ترک موالات فرض ہو تو پھر ہندوؤں سے موالات اور انگریزوں سے ترک موالات کرنے کا فتویٰ دینے کا باعث کیا ہے؟ ان آیات سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے بھی اور سکھوں سے بھی اور انگریزوں سے بھی موالات کرنی چاہئے اور ہمدردی سے اور انصاف سے پیش آنا چاہئے اور صرف ان لوگوں سے موالات ترک کرنی چاہئے جو یا تو اسلام سے پھرانے کے لئے جنگ کریں یا اسلام سے نہ پھرنے والوں کو ملک سے نکال دیں یا اس کام میں دوسروں کی مدد کریں۔

مذہبی دست اندازی کیا ہے

شائد بعض لوگ کہہ دیں کہ انگریزوں نے بعض ایسے لوگوں کو جلاوطن کیا ہے جو مثلاً خلافت کی تائید کرتے تھے اور ایسے ہی کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذہبی دست اندازی سے صرف خالص مذہبی مسائل میں دخل اندازی مراد ہے نہ کہ ان مسائل میں دخل اندازی مراد ہے جن کے ساتھ سیاست بھی شامل ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میرا یہ مذہب ہے کہ فلاں قوم کو قتل کر دینا چاہئے تو اس کے اس خیال کو مذہبی سوال نہیں سمجھا جاوے گا بلکہ چونکہ قتل ایک ایسا فعل ہے جس کا دوسرے شخص سے بھی تعلق ہے اس لئے اس شخص کو اجازت نہ دی جاوے گی کہ اس کو قتل کر دے اگر وہ دوسرا شخص حاکم

ہے تو اس کا اختیار ہو گا کہ ایسے شخص کو گرفتار کرے اور اس کے اس فعل کو کوئی شخص مذہبی دست اندازی نہیں کہہ سکتا۔ مذہبی دست اندازی صرف ایسے ہی افعال میں تصرّف کرنے کو کہہ سکتے ہیں جو صرف اس شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہوں جس نے وہ فعل کرنا ہے اور حکومت کا اس کے اندر دخل نہ ہو یعنی اس فعل کی سزا یا جزاء کو خدا تعالیٰ نے حکومت کے ذمہ نہ رکھا ہو اسی وجہ سے گو مدت ہائے دراز سے ہندوستان میں انگریز زانی کو رجم نہیں کرتے۔ چور کے ہاتھ نہیں کاٹتے مگر مسلمان اس کے خلاف کبھی شور نہیں مچاتے کہ یہ مذہبی دست اندازی ہے اور نہ کبھی انہوں نے اس کے خلاف ترک موالات کی تحریک کی کیونکہ یہ کام انسان کی اپنی ذات سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی شخص کے مذہبی خیالات کے مطابق دوسروں کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ پس جب انگریزوں کے نزدیک خلافت کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی کیونکہ وہ مسلم ہی نہیں ہیں اور خصوصاً جبکہ انہوں نے اپنی خلافت سے بھی دنیوی شان و شوکت علیحدہ کر لی ہے تو ان سے یہ اُمید رکھنا کہ اگر ہم لوگ خلافت کے لئے جدوجہد کریں جس کے دوسروں لفظوں میں یہ معنے ہوں گے کہ ہم ان کے زیر اقتدار ممالک میں سے جن پر انہوں نے جائز طور پر یا ناجائز طور پر قبضہ کر لیا تھا نکال دیں تو وہ خاموش رہیں کس طرح درست ہو سکتا ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم کوئی ایسا فعل کریں جو ان کے دنیوی مفاد کے لئے مضر ہو تو وہ صرف اس لئے کہ وہ ہمارا مذہبی مسئلہ ہے خاموش بیٹھے رہیں گے اس طرح تو ان کی کیا کوئی حکومت بھی نہیں چل سکتی۔ پس بعض مسلمانوں کو جو جلا وطن کیا گیا تھا تو اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ لوگ اسلام پر کیوں ایمان لائے تھے بلکہ یہ وجہ تھی کہ ان لوگوں کے افعال گورنمنٹ برطانیہ کے نزدیک اس کے سیاسی فوائد کے لئے مضر تھے ورنہ کیا وجہ ہے کہ اور کروڑوں مسلمان اس کی حکومت کے نیچے بستے ہیں وہ ان کو جلا وطن نہیں کرتی یا قید نہیں کرتی؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہی آیت جس سے ترک موالات کے حامی انگریزوں سے ترک موالات کا فتویٰ اور ہندوؤں سے موالات کا حکم نکالتے ہیں ان کے دعویٰ کو غلط ثابت کرتی ہے اور دوسری آیات اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں۔

اس جنگ میں لڑنیوالے کون تھے اور اس وقت مفتی کیوں خاموش رہے

علاوہ ازیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جس جنگ کا انگریزوں پر الزام لگایا جاتا ہے اس میں لڑنے والے کون تھے؟ خود ہندو اور سکھ اور مسلمان ہی تھے جنہوں نے جا کر ترکوں کو مارا۔ اگر یہ جنگ فی الواقع مذہبی جنگ تھی تو مسلمان ترکوں کے مخالف

لڑنے کے لئے کس طرح گئے؟ اور ہندوستان کے ہزاروں مولوی اس وقت کہاں گئے ہوئے تھے؟ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بعض کو گورنمنٹ نے خاموش رکھنے کے لئے قید کر دیا تھا تو بھی باقی ہزاروں علماء تھے ان میں سے کوئی کیوں نہ بولا؟ یہ عجیب ذہول ہؤا کہ خود اپنے ہاتھوں سے ملک فتح کیا اور پانچ سال کے عرصہ میں کسی کو خیال نہ آیا کہ انگریز تو مذہبی جنگ کر رہے ہیں ان سے تو علیحدہ رہنے کا ہمیں حکم ہے بلکہ ان سے تو بات کرنی بھی جائز نہیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ کیا اس وقت جنگ کر کے اب ترکوں کی حمایت کرنا اور ان کے خلاف جنگ کو مذہبی جنگ قرار دینا کہیں مسلمانوں کو اس فتویٰ کے نیچے تو نہیں لے آتا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج (البقرة: ۸۶) یعنی اللہ تعالیٰ یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ پھر تم وہ لوگ ہو کہ اپنی جانوں کو قتل کرتے ہو (یعنی اپنے ہم مذہبوں کو) اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کے معاملات میں لوگوں کی مدد کرتے ہو اور اگر تمہارے پاس وہ قید ہو کر آجاویں تو پھر تم ان کو فدیہ دے کر آزاد کرانا چاہتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا ہی تمہارے لئے حرام تھا کیا تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو؟

اب میں کافی طور پر ثابت کر چکا ہوں کہ وہ آیت جسے ترک موالات کے مفتیوں نے ہنود سے دوستانہ تعلق رکھنے کے جواز میں پیش کیا ہے اسی سے انگریزوں سے موالات کرنا جائز ثابت ہوتا ہے۔ پس مفتی صاحبان نے فتویٰ دینے میں غلطی کی ہے اور قرآن کریم کے صریح الفاظ کی موجودگی میں اُصولِ اسلام کے خلاف فتویٰ دے دیا ہے اور ایسا فتویٰ مسلمانوں کے لئے قابلِ عمل نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

آیات پیش کردہ پر تفصیلی نظر

تمام آیات پیش کردہ پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کے بعد میں تفصیلی طور پر ان آیات کے مضمون پر نظر ڈالنی چاہتا ہوں تاکہ حقیقت کے طالبوں کو یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ آیتیں اپنی ذات میں بھی اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتیں جو بعض علماء کے فتویٰ میں پیش کیا گیا ہے۔

ان آیات کی تین اقسام

آٹھ آیات میں جو ترک موالات کی تائید میں پیش کی گئی ہیں میرے نزدیک یہ تین اقسام میں تقسیم ہیں اور تینوں کے متعلق ہمیں الگ الگ غور کرنا چاہئے۔ مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے فتویٰ میں خود تحریر فرمایا ہے کہ قرآن کریم

ہیں جو لفظ تولّی کا استعمال ہؤا ہے اس کے معنی وہ دوستی اور مدد کے کرتے ہیں۔ پس دیکھنا چاہئے کہ آیا یہ دونوں معنی تمام آیات میں چسپاں ہوتے ہیں یا مختلف آیات میں مختلف معنے چسپاں ہوتے ہیں؟ کیونکہ بسا اوقات ایک لفظ جو کئی معنے رکھتا ہو کسی فقرہ میں ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کسی میں دوسرے معنے میں اور کسی میں دونوں معنوں میں۔ پس صرف لغت دیکھنا کافی نہ ہوگا بلکہ ان آیات پر بھی غور کرنا ہوگا کہ ان میں یہ لفظ اپنے متعدد معنوں میں سے کس معنے میں استعمال ہؤا ہے یا یہ کہ سارے ہی معنوں میں استعمال ہؤا ہے۔ انگریزوں کے متعلق فتویٰ دیتے وقت ان کو مدِّنظر رکھا جاوے اور میرے نزدیک ان آیات میں یہ لفظ دو مختلف صورتوں میں استعمال ہؤا ہے۔ بعض میں تو دوستی اور امداد دونوں معنوں میں استعمال ہؤا ہے اور بعض میں صرف دوستی کے معنوں میں استعمال ہؤا ہے۔ امداد کے معنے ان آیات میں مدِّنظر نہیں ہیں۔ جو آٹھ آیتیں پیش کی جاتی ہیں ان میں سے پانچ میں تو دوستی اور امداد کے معنے ہیں اور دو میں دوستی کے۔ ایک آیت بالکل جُداگانہ حیثیت رکھتی ہے جس کا میں سب سے آخر میں ذکر کروں گا۔

آیات قسمِ اوّل

سب سے پہلے میں ان آیات کو لیتا ہوں جن میں دوستی اور امداد کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ہؤا ہے اور بتاتا ہوں کہ ان کا اطلاق ہرگز اس زمانہ کے حالات پر نہیں ہوسکتا اور انگریزوں کے خلاف ان کے احکام کی بناء پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔

پہلی آیت

اس قسم کی آیات میں سے پہلی آیت یہ ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ۔ (اٰل عمران: ۲۹) یہ آیت مفتیوں نے پوری نہیں لکھی اس کے ساتھ کا حصہ جو اس کے معنوں پر روشنی ڈالتا ہے یہ ہے۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (اٰل عمران: ۲۹) جو حصہ ترک موالات کے حامیوں نے لکھا ہے اس کا ترجمہ خود ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔ ”مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ وہ مؤمنوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست و مددگار بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کو اللہ سے کچھ تعلق نہیں۔“ اس آیت میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ مسیحیوں یا یہودیوں سے ایسا سلوک نہ کرو بلکہ بلاشرط حکم ہے کہ جو بھی کافر ہو اس سے دوستی نہ رکھو۔ پس اس آیت سے یہ فتویٰ نکالنا کہ انگریزوں ہی سے ترک موالات کی جاوے درست نہیں بلکہ اس آیت کے ماتحت تو سب ان لوگوں سے جو اسلام کا دعویٰ نہیں کرتے ترک موالات کرنی پڑے گی۔

ایک ضمنی سوال اور اس کا جواب

اگر کہا جاوے کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کافر سے ترک موالات کا حکم نہیں بلکہ خاص کفار سے ہے ان آیات کو اس آیت سے ملا کر ہم ایسا فتویٰ دیتے ہیں۔ تو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انگریزوں کے متعلق فیصلہ دیتے وقت بھی ہمیں انہیں آیات کو مدِّنظر رکھنا پڑے گا۔ یہ درست نہ ہوگا کہ دوسرے لوگوں کے متعلق فیصلہ کرتے وقت ان آیات کو مدِّنظر رکھا جاوے اور انگریزوں کے متعلق فتویٰ دیتے وقت ان کو مدِّنظر نہ رکھا جاوے۔ اور یہ میں پہلے بتا آیا ہوں کہ جو شرائط دوسری آیات میں ترک موالات کے لئے بتائی گئی ہیں وہ جس طرح اس وقت کے ہندوؤں میں نہیں پائی جاتیں اسی طرح انگریزوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔

یہ حکم حربی کفّار کے متعلق ہے

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ خود اس آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ان حربی کفار کے متعلق ہے جن سے دین اسلام کے متعلق جنگ ہو رہی ہو۔ چنانچہ اس سے چند آیات پہلے اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کا ذکر فرمایا ہے اور جنگ بدر کے ساتھ ہی بلکہ اس سے بھی کچھ عرصہ پہلے سے کفار کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی تھی اور اسی طرح جنگ بدر کے بعد یہود کے بعض سرداروں سے بھی فساد پیدا ہو گیا تھا پس اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان ہی لوگوں سے جو برسرِ جنگ ہوں تعلق رکھنے سے منع فرماتا ہے اور ان سے دوستی رکھنے یا ان کو فوائد مسلمانان کے خلاف مدد دینے یا ان سے مدد لینے سے منع فرماتا ہے بلکہ خود اس آیت میں بھی یہی مضمون ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے اس حصہ میں جسے مفتی صاحبان نے فتویٰ میں درج نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ۔ (آل عمران: ۲۹) یعنی کفار سے دوستی نہ کرو سوائے اس کے بچو ان سے اچھی طرح اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔

اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً کے وہ معنی جو عام طور پر کئے جاتے ہیں

اس آیت کے عام طور پر یہ معنے کئے جاتے ہیں کہ جس وقت جنگ میں یا جب کفار غالب ہوں کسی سے جبراً کوئی کلمہ کفر کا کہلوایا جاوے تو وہ ایسا کلمہ کہہ دے تو اس کو اجازت ہے چنانچہ سعید بن الجبیرؓ کا قول ہے لَيْسَ فِي الْاَمَانِ التَّقِيَّةُ اِنَّمَا التَّقِيَّةُ فِي الْحَرْبِ یعنی تقیہ امان میں نہیں ہوتا بلکہ لڑائی میں

ہوتا ہے۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تقیہ مخالفۃ الناس کے وقت ہوتا ہے۔ اسی طرح دیگر مفسرین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ آیت جنگ کے ایام پر دلالت کرتا ہے جب مسلمانوں کو جبراً اسلام سے نکالا جاتا ہو اور زبردستی پکڑ کر ان سے اسلام سے بیزاری کا اعلان کروایا جاتا ہو۔ اور اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ایسے کفار سے تعلقات رکھنا گویا خود اسلام کے چھوڑنے کی خواہش کرنا ہے مگر کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ انگریز جبراً پکڑ پکڑ کر لوگوں کو اسلام سے توبہ کرا کر مسیحی بناتے ہیں اگر نہیں تو اس آیت سے ان کے خلاف عدم تعاون کا فتویٰ نکالنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ اس آیت کا وہ حصہ جسے مفتیوں نے غلطی سے چھوڑ دیا ہے صاف بتا رہا ہے کہ ترک موالات ان ہی کافروں سے ہونی چاہئے جو جبراً اسلام سے پھراتے ہوں اور کفر کا اقرار کرتے ہوں۔

تقیہ کے متعلق سلف و خلف کا فتویٰ

گو یہ بات اس مضمون سے تعلق نہیں رکھتی لیکن چونکہ یہ آیت مضمون میں آگئی ہے اور مجھے ایک ایسے معنے اس آیت کے لکھنے پڑے ہیں جو عام طور پر اس وقت کے مسلمانوں میں رائج ہیں اس لئے میں اس قدر ضرور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اس آیت کے ان معنوں کا قائل نہیں بلکہ میرا مذہب امام احمد بن حنبلؒ کی طرح یہ ہے کہ اِذَا اَجَابَ الْعَالِمُ تَقِیَّۃً وَالْجَاھِلُ یَجْھَلُ فَمَتٰی یَتَبَیَّنُ الْحَقُّ وَالَّذِیْ نُقِلَ اِلَیْنَا خَلَفًا عَنْ سَلَفٍ اَنَّ الصَّحَابَۃَ وَتَابِعِیْھِمْ وَ تَابِعِیْ تَابِعِیْھِمْ بَذَلُوْا اَنْفُسَھُمْ فِیْ ذَاتِ اللّٰہِ وَاَنَّھُمْ لَمْ تَاْخُذْھُمْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃُ لَائِمٍ وَلَا سَطْوَۃُ جَبَّارٍ ظَالِمٍ یعنی جب واقف آدمی لوگوں سے ڈر کر کوئی غلط بات کہہ دے اور جاہل کو معلوم ہی نہ ہو تو حق پھر کب ظاہر ہوگا؟ اور جو کچھ بھی ہمیں پچھلے بزرگوں سے ابتدائی زمانہ کے بزرگوں کے متعلق روایت پہنچی ہے وہ تو یہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعی اور ان کے تابعی خدا کے واسطے اپنی جانیں قربان کر دیتے تھے اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے اور نہ ظالم اور جابر کے حملہ اور اس کی گرفت سے ڈرتے تھے۔ اس حوالہ سے ظاہر کہ نہ صرف حضرت احمد بن حنبلؒ اپنے خیال کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ وہ اس زبردست تاریخی شہادت کی بناء پر جو ان کے علم حدیث کے امام ہونے کے لحاظ سے ان کے زیر نظر تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اپنا ہم خیال بتاتے ہیں اور واقعہ یہی ہے کہ ایک دو صحابیوں رضی اللہ عنہم کے جو اقوال بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے بعض کا تو مطلب ہی نہیں سمجھا گیا اور بعض کی روایت نہایت کمزور ہے۔

اس آیت کے اصل معنی

اس آیت کے اصل معنے یہی ہیں کہ خدا تم کو حربی کفار سے دوستی رکھنے کی اجازت نہیں دیتا ہاں اس کے مقابل میں فرماتا ہے کہ تم ان سے ہر طرح بچتے رہو اور ان کے مقابلہ کا سامان تیار کرو۔ اِتَّقٰی کے معنے حفاظت کا سامان جمع کرنے کے بھی ہیں اور اگلا حصہ وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ان ہی معنوں کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ اگر آیت کے یہ معنی ہیں کہ اے لوگو! تم کفار سے دوستی نہ کرو ہاں زبردستی کریں تو ان کے ضرر کے ڈر سے ان ہی کی سی بات کہہ دو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے تو اس کا ایک حصہ دوسرے کا مخالف ہو جاتا ہے جب دین کے معاملہ میں بھی ہندوؤں سے ڈرنے کا وہ حکم دیتا ہے تو پھر اپنے ڈر پر زور دینے کا کیا مطلب ہؤا؟ پس اصل مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے فرماتا ہے کہ اے مؤمنو! حربی کفار سے دوستی نہ کرو بلکہ اس کے مقابلہ میں ان کے شر سے بچنے کے لئے سامان حفاظت جمع کرو اور ان سے نہ ڈرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ ڈرنے کے قابل اسی کی ذات ہے اور اگر ایسا نہ کرو گے تو آخر ایک دن اسی کے حضور پیش ہونا ہے اپنے کئے کی سزا پاؤ گے۔ سورہ نحل کی اس آیت کی موجودگی میں جس میں جبر کے ماتحت کلمہ کفر کہنے والے کو بھی گنہگار قرار دیا ہے اور خدا کے راستہ میں ہجرت کرنے اور اس کے دین کے لئے تکالیف اُٹھانے کے بعد اس کے معاف کرنے کی اُمید دلائی ہے ان معنوں کے سوا کوئی اور معنی اس آیت کے کئے ہی نہیں جا سکتے۔

اس ضمنی سوال کا جواب دینے کے بعد میں پھر اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں۔

دوسری آیت

ترک موالات کی تائید میں دوسری آیت جس میں کفار کی دوستی اور موالات سے روکا گیا ہے یہ پیش کی جاتی ہے بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ۟ۙ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا (النساء: ۱۳۹-۱۴۰) اس کا ترجمہ مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے فتویٰ میں یوں کیا ہے " ان منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ مؤمنین کے سوا کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں حالانکہ تمام تر عزت خدا کے لئے ہے۔" اس ترجمہ کے الفاظ پر غور کرو۔ یہاں کہاں لکھا ہے کہ نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یا ان سے ترک موالات کرو یہاں تو تمام کفار کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ان کو دوست نہ بناؤ اور پھر کوئی شرط نہیں بتائی کہ کس کو دوست بناؤ اور کس کو نہ بناؤ اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ بے شک اس جگہ سب کفار سے قطع تعلق کا حکم ہے اور کوئی شرط نہیں کہ فلاں کو دوست بناؤ اور فلاں کو نہ بناؤ۔ لیکن

سورہ ممتحنہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوست بنانے اور نہ بنانے کے لئے شرائط ہیں ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مگر مَیں پوچھتا ہوں کہ کیا ان شرائط کو ہنود کے لئے ہی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مسیحیوں کے لئے نظر انداز کیا جا سکتا ہے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً (المائدۃ: ۸۳) یعنی محبت میں وہ دوسری قوموں کی نسبت مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب ہیں جب وہ شرائط جن کے پائے جانے کی وجہ سے ہنود قابل موالات سمجھے گئے ہیں مسیحیوں میں بھی پائی جاتی ہیں تو ان سے ترک موالات کرنا شرعی فتویٰ کے ماتحت کیونکر درست اور جائز ہو سکتا ہے؟

اس آیت میں بھی حربی کافروں سے تولّی منع کی گئی ہے

پھر میں اس آیت کی نسبت بھی وہی کہتا ہوں جو پہلی آیت کی نسبت کہہ چکا ہوں کہ اس آیت کا مضمون بھی صاف بتا رہا ہے کہ جن لوگوں سے تولّی منع کی گئی ہے وہ حربی کافر ہیں کیوں کہ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی نہ کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اس وقت برسرِ پیکار تھی اور اس سے تعلق رکھنا خود اس حکومت اور اس جماعت کے خلاف تھا جس کے وہ لوگ جن کو یہ حکم دیا گیا ہے افراد تھے پھر اس آیت سے اگلی آیات کو بھی دیکھا جاوے تو ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس قوم کے متعلق ہے جو ہم سے دین کے متعلق جنگ کر رہی ہو یا دین کی وجہ سے ہمیں اپنے گھروں سے نکالتی ہو کیونکہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ اِلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (النساء: ۱۴۱-۱۴۲) یعنی "اور تحقیق تم پر کتاب میں یہ نازل ہو چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے انکار کیا جاتا ہے اور ان سے ہنسی کی جاتی ہے تو ایسا کرنے والے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھا کرو یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں ورنہ تم بھی ان ہی میں شامل سمجھے جاؤ گے۔ ضرور اللہ تعالیٰ ان منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرے گا جو تمہاری ہلاکت کے منتظر ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری فتح کا سامان ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور

اگر کفار کو کچھ حاصل ہوتا ہے یہ ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور کیا ہم نے تم کو بچایا نہیں مؤمنوں سے؟ پس اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کو فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کبھی مسلمانوں پر کافروں کو غلبہ نہیں دے گا۔"

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت جو لکھی گئی اس میں ان منافقوں کو جو مدینہ میں رہتے تھے اور اسلامی حکومت کے افراد تھے ان کافروں سے جو اسلام کے مٹانے کے لئے مسلمانوں سے برسر جنگ تھے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور ان کی مدد کرنے اور ان کو اُکسانے سے باز رکھا گیا ہے نہ کہ تمام دنیا جہاں کے کافروں سے۔ اور انگریز ہرگز اسلام کی وجہ سے مسلمانوں سے نہیں لڑ رہے بلکہ جو لڑائی وہ کر چکے ہیں وہ بھی دنیوی وجوہ پر تھی۔

تیسری آیت

تیسری آیت جو ترک موالات کی تائید میں پیش کی جاتی ہے یہ ہے۔ يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ٥ (النساء: ۱۴۵) اس کا ترجمہ ترک موالات کے فتویٰ میں یوں لکھا گیا ہے۔ "اے ایمان والو! مؤمنوں کے سوا کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح لو۔" اس آیت میں بھی پہلی آیت کی طرح یہ نہیں بتایا گیا کہ کن کفار سے ترک موالات کرو اور کن سے نہیں اور اس کی تشریح دوسری آیات ہی سے کرنی پڑے گی اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ ان آیات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے انگریزوں سے ترک موالات کا حکم کسی صورت میں نہیں نکلتا۔

چوتھی آیت

اب میں چوتھی آیت کو لیتا ہوں جو یہ ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنہ: ۲) یعنی "اے ایمان والو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو رفیق مت بناؤ پیغام بھیجتے ہو تم ان کی طرف دوستی کا حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اس سچائی سے جو تمہارے پاس پہنچی ہے۔" (ترجمہ منقول از فتویٰ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور مخاطبوں کے دشمنوں کو دوست و مددگار بنانے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ کہ دشمن سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح نہیں فرمائی۔ دشمنی عقائد کے اختلاف کا نام بھی ہو سکتا ہے اور اس سے مراد وہ کینہ بھی ہو سکتا ہے جس کے اثر سے انسان اپنے مخالف کو بالکل تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے پس اس آیت میں "عدوّ" کے جو معنے ہیں وہ معلوم کرنے ہمارے لئے ضروری ہیں اور اس لئے ہمیں دُور جانے کی ضرورت نہیں اسی آیت کے اگلے حصہ میں اس دشمنی کی اللہ تعالیٰ

نے خود تفصیل فرما دی ہے جو نہ معلوم کس وجہ سے فتویٰ نویسوں نے ترک کر دی ہے پوری آیت یوں ہے
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○ (الممتحنہ: ۲) اور اس سے اگلی آیت یہ ہے اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ۔ (الممتحنہ: ۳) اور ان دونوں آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔ "اے مؤمنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کو محبت کے پیغام بھیجتے ہو یا یہ کہ تم ان کو خط لکھتے ہو۔ حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کر دیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے وہ لوگ رسولؐ کو اور تم کو اس لئے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اللہ پر جو تمہارا رب ہے ایمان کیوں لائے؟ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا کے حاصل کرنے کے لئے نکلتے ہو تو ان کی طرف پوشیدہ طور پر محبت کے پیغام بھیجتے ہو یا یہ کہ پوشیدہ طور پر خط بھیجتے ہو (مودۃ خط کو بھی کہتے ہیں) حالانکہ مَیں خوب جانتا ہوں اس کو جو تم چھپاتے ہو یا جسے ظاہر کرتے ہو اور جو کوئی شخص تم میں سے ایسا کرے وہ ضرور سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ اگر وہ کہیں تم کو پکڑ پاویں تو ضرور تمہارے دشمن ہوں اور اپنے ہاتھ بھی تمہاری طرف بڑھا دیں اور اپنی زبانیں بھی دراز کریں اور خواہش کرتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔" اگر فتویٰ شائع کرنے والے اس آیت کو سارے کا سارا نقل کر دیتے بلکہ اگلی آیت بھی ساتھ درج کر دیتے تو شاید اس کے متعلق مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی کیونکہ اس آیت کا مضمون خود ہی شاہد ہے کہ انگریزوں سے ترک موالات کے ساتھ آیت کا تعلق ہی نہیں ہے اس آیت میں صاف طور پر اس بات کا بھی ذکر ہے کہ جو قوم تم سے جنگ کر رہی ہو اور تم کو خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے سبب سے تمہارے گھروں سے نکالتی ہو اور اگر تم اس کے قابو پڑ جاؤ تو تم کو واپس کفر میں لانے کے لئے زبان اور ہاتھوں سے ایذاء دینے میں بھی اسے کوئی عار نہ ہو تو ایسی قوم سے دوستی نہ کرو اور دوستی کی تشریح بھی فرما دی کہ یہ نہ کرو کہ اسلامی لشکر کی خبریں اسے خفیہ طور پر پہنچاؤ۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ نہ یہ باتیں انگریزوں میں پائی جاتی ہیں اور نہ اس قسم کی دوستی ان سے کوئی کرتا ہے ہم تو خود ان کے زیر حکومت بستے ہیں ان کے اور ہمارے تعلقات اس قسم کے ہو ہی نہیں سکتے جو اس آیت میں بیان کئے گئے ہیں اور جب یہ بات ہے تو اس سے ترک موالات کا جواز بلکہ حکم

نکالنا کس طرح درست ہو گیا؟

یہ چار آیات ہیں جن میں کفار کی تولّی سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے اور ان آیتوں میں واقع تولّی سے مراد دوستی اور مدد کا لینا اور مدد دینا ہے لیکن جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں ان چار آیتوں میں ان کفار سے تولّی یا ولایت منع کی گئی ہے جو دین اسلام کے مٹانے کے لئے جنگ کر رہے ہوں اور مسلمانوں کو گھروں سے نکال رہے ہوں لیکن انگریز نہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھرانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں اور نہ دین سے پھرانے کے لئے ان کو گھروں سے نکالتے ہیں ان کی حکومت میں مسلمان کھلے بندوں اسلام کی تائید میں وعظ اور تبلیغ کرتے ہیں اور خود مسیحیوں کو مسلمان بناتے ہیں مگر وہ کسی سے باز پُرس نہیں کرتے۔

آیات قسم دوم

اب مَیں ان تین آیتوں کو لیتا ہوں جن میں امداد کا ذکر نہیں صرف محبت کرنے کا ذکر ہے۔

پہلی آیت

اوّل آیت تو بالکل صاف ہی ہے کیونکہ اس میں لفظ ہی محبت کا ہے۔ یعنی لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (المجادلۃ: ۲۳) نہیں پاؤ گے تم کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ دوستی کرے ان سے جنہوں نے مقابلہ کیا اللہ اور اس کے رسولؐ کا اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ایسے ہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا اور اپنی روح سے ان کی مدد فرمائی اور ان کو داخل کر لیا باغ بہشت میں جس کے نیچے بہتی ہیں نہریں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔ یہ جماعت ہے اللہ کی۔ یاد رکھو کہ خدا کی جماعت ہی کامیاب ہوتی ہے۔" (ترجمہ منقول از فتویٰ)

جیسا کہ اس آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے اس میں لینے دینے کا بلکہ دوستی کا بھی کوئی ذکر نہیں بلکہ محبت کا ذکر ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسول کے دشمن ہوں ان سے محبت نہ کی جائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص بھی ایسا ہو کہ اسے ہم سے صرف مذہبی اختلاف ہی نہیں بلکہ وہ خدا اور رسولؐ کو بھی بُرا بھلا کہتا ہو اس سے ہمیں ہرگز محبت نہیں کرنی

چاہئے خواہ ایسا شخص انگریزوں میں سے ہو خواہ ہندوؤں میں سے ہو خواہ یہودیوں میں سے ہو خواہ خود مسلمانوں میں سے ہو۔ متعصب اور بُرا بھلا کہنے والے انسان سے محبت کس طرح ہو سکتی ہے؟ جو شخص اخلاق سے عاری ہے اور دوسرے مذاہب کے بزرگوں پر غضب کا اظہار کرتا ہے اور عداوت سے کام لیتا ہے وہ ہرگز محبت کے قابل نہیں مگر اس آیت کے کسی قوم یا مذہب کے لوگوں سے ترک موالات کا مسئلہ نکالنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا اور اس آیت کے الفاظ سے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے اس آیت کے مضمون اور ترکِ موالات کے مضمون میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسری آیت

دوسری آیت جس میں کفار سے محبت منع کی گئی ہے یہ ہے۔ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى أَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ (المائدۃ ۵۲) یعنی " اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست و مددگار نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ ان ہی میں شامل سمجھا جائے گا۔"

اس آیت میں صرف حربی یہود و نصاریٰ مراد ہیں

اس آیت کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس میں کوئی شرط نہیں بیان فرمائی کہ فلاں قسم کے یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو اور فلاں سے کرو بلکہ بلا کسی شرط کے یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کر دیا گیا ہے لیکن یہ استدلال درست نہ ہوگا کیونکہ ترک موالات کے متعلق جو آیات پیش کی جاتی ہیں ان میں سے تین میں کفار سے دوستی کرنے اور ان کے مددگار ہونے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے مگر باوجود اس کے ہندوؤں سے دوستی کو ترک موالات کے حامیوں نے جائز قرار دیا ہے اور اس کی دلیل میں وہ سورہ ممتحنہ کی آیت پیش کرتے ہیں اور ان آیات کے عام الفاظ کو اس آیت کے مضمون سے خاص کرتے ہیں اسی طرح اس آیت کو بھی حل کرنا چاہئے اور اسی آیت کے ساتھ ملا کر اس کے معنی کرنے چاہئیں اور وہ معنے یہی ہوں گے کہ وہ یہود و نصاریٰ جو تم سے لڑائی کرتے ہوں یا لڑائی کرنے والوں کے شریک ہوں ان سے دوستی نہ کرو۔

اس آیت میں صرف دوستی کا ذکر ہے

مگر میرے نزدیک اس آیت میں مددگار بننے اور مدد لینے کا ذکر ہی نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ اسی مضمون کی اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے اس میں صرف دوستی کرنے کا ذکر ہے وہ اگلی آیت جسے ترک موالات کے حامیوں نے بھی پیش کیا ہے یہ ہے۔ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ

اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ (المائدة : ۵۸) یعنی "اے ایمان والو تم ان اہلِ کتاب اور کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ جنہوں نے بنالیا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو" (ترجمہ منقول از فتویٰ)

ترک تولّی کے لئے شرط

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تولّی کے ترک کرنے کے لئے ایک شرط لگائی ہے۔ یعنی ان اہل کتاب اور نصاریٰ سے تولّی نہ کرو جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں لیکن یہود و نصاریٰ کے علاوہ باقی کافروں کو بھی اس حکم میں شامل کر دیا ہے۔ پس پہلی آیت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ یہود و نصاریٰ سے خواہ کسی حالت میں ہوں تولّی ناجائز ہے بلکہ پچھلی آیت میں جو شرط لگائی ہے وہ لگانی ضروری ہوگی ورنہ نعوذ باللہ من ذالک یہ کہنا پڑے گا کہ چھ آیت پہلے تو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے مطلقاً دوستی نہ کرو ان سے امداد نہ لو اور نہ ان کو دو۔ اور چھ آیت کے بعد فرماتا ہے کہ جو ان میں سے دین کو ہنسی یا کھیل بناویں ان سے ایسا تعلق پیدا نہ کرو۔ غرض پہلی اور دوسری دونوں آیتوں میں یہ شرط ساتھ لگانی پڑے گی کہ ان یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کی جاوے جو اسلام کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور جب اذان دی جاتی ہے تو اس پر ہنستے ہیں اور اسے کھیل بنا لیتے ہیں جیسا کہ ساتھ ہی فرمایا ہے وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا (المائدة : ۵۹) یعنی جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو وہ ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں لیکن صرف یہود و نصاریٰ کی نسبت ہی یہ فتویٰ نہیں ہوگا بلکہ باقی تمام لوگوں کی نسبت بھی ہوگا خواہ ہندو ہوں خواہ سکھ کیونکہ دوسری آیت میں صاف طور پر یہود و نصاریٰ کے ساتھ وَالْكُفَّارَ (المائدة: ۵۸) کا لفظ بڑھا کر یہود و نصاریٰ کے سوا جس قدر کافر ہیں ان کو بھی اس فتویٰ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ پس جو حکم یہود اور نصاریٰ کی نسبت دیا جائے گا وہی حکم وَالْكُفَّارَ کے لفظ کی وجہ سے دوسرے تمام مذاہب کے پیروؤں کی نسبت بھی لگانا پڑے گا۔

ان آیتوں میں صرف دوستی سے منع کیا گیا ہے

جیسا کہ ان دونوں آیتوں کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ان میں تولّی سے مراد صرف دوستی ہے مدد لینے یا دینے کا ذکر نہیں۔ کیونکہ دین سے ہنسی یا اذان سے ہنسی کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے کہ حکومتوں کا اس سے تعلق ہو۔ یہ بات افراد سے تعلق رکھتی ہے پس مراد یہی ہوئی کہ یہودیوں عیسائیوں یا دیگر مذاہب کے پیروؤں میں سے جو لوگ تمہارے دین پر ہنسی کریں تمسخر اُڑائیں اور اذان سُن

کر اس کو ایک کھیل قرار دیں ایسے لوگوں سے گہرے تعلق نہ رکھو ورنہ تم بھی ان ہی لوگوں میں شامل سمجھے جاؤ گے اور یہ بات بالکل درست ہے کہ جو شخص ایسے لوگوں کی مجلس میں بیٹھتا ہے جو اس کے دین کا تمسخر اُڑاتے ہیں اور اس سے ہنسی کرتے ہیں اس کو بُرا نہیں مناتا وہ یا تو دل سے اس دین سے بیزار ہو چکا ہوتا ہے یا اس کے دل کے اندر تغیر پیدا ہونا شروع ہو چکا ہوتا ہے اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ ان ہی لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ جب ایمان ہوتا ہے تو غیرت ساتھ ضرور ہوتی ہے ایمان غیرت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی شخص یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس سے یا اس کے ماں باپ سے تمسخر کیا جاوے اور ان کو کھیل بنایا جاوے تو وہ اس امر کو کب برداشت کر سکتا ہے کہ دین کے متعلق تمسخر کرنے والوں سے دوستی رکھے۔

یہاں دوستی سے کیسی دوستی مراد ہے؟

یہاں دوستی سے کیسی دوستی مراد ہے؟ اس کی تشریح ہمیں قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ (الانعام : ۶۹) یعنی "اے قرآن کے پڑھنے والے جب تُو دیکھے ان لوگوں کو جو تمہاری آیتوں میں بیہودہ بکواس کرتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے علیحدہ ہو جا یہاں تک کہ وہ اَور باتوں میں مشغول ہوں اور اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ۔" اسی طرح ایک اور آیت میں جس کے متعلق میں پہلے تفصیل بیان کر چکا ہوں آتا ہے۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَ یُسْتَھْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖٓ ۖ اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ ؕ (النساء : ۱۴۱) یعنی "خدا تعالیٰ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل کر چھوڑا ہُوا ہے کہ جب تم سنو کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے اور ان سے ہنسی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں لگ جاویں۔" ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں آیات اللہ سے ہنسی ہوتی ہو وہاں نہیں بیٹھنا چاہئے اور آیات جو اوپر بیان ہوئیں ان میں بھی یہی ذکر ہے کہ ان یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے دوستی نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہنسی کرتے ہیں پس ان آیات کا یہی مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق نہ رکھو اور ان سے زیادہ ملو جلو نہیں اور کسی سیاسی مسئلہ کا یہاں ذکر نہیں بلکہ اس دوستی کا ذکر ہے جو ایک شخص دوسرے سے کرتا ہے اور اس

تعلق کا بیان ہے جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان ہوتا ہے۔ پس ان آیات سے ترک موالات کا فتویٰ نکالنا کسی طرح درست ہو ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی فتویٰ نکلے گا تو وہ اسی طرح جس طرح انگریزوں پر چسپاں ہوگا ہندوؤں پر بھی چسپاں ہوگا کیونکہ ان آیات میں تمام کفار کا ذکر ہے نہ صرف یہود و نصاریٰ کا۔

اذان وغیرہ پر تمسخر اور استہزاء انگریز کرتے ہیں یا ہندو سکھ وغیرہ؟

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گو مسیحی اسلام پر کس قدر ہی اعتراض کیوں نہ کرتے ہوں مگر وہ ہمارے دین کی اور اذان کی تضحیک نہیں کرتے بلکہ ان لوگوں میں جن کے ساتھ موالات جائز رکھی جاتی ہے یعنی ہندوؤں اور سکھوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو تمسخر سے کام لیتے ہیں اور اذان پر شور مچاتے ہیں بلکہ فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

یہ حکم کسی قوم کے متعلق نہیں بلکہ افراد کے متعلق ہے

مگر جیسا کہ مَیں ثابت کر چکا ہوں کہ اس آیت کے الفاظ اور دوسری آیات کی تشریح سے ان آیات کے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ اس جگہ کسی قوم پر بحیثیت مجموعی فتویٰ نہیں دیا گیا جس طرح پہلی آیات میں دیا گیا تھا کہ جو قوم تم سے دین کی خاطر جنگ کرتی ہو اس کے کسی شخص سے تعلق دوستی نہ رکھو بلکہ اس میں افراد کے متعلق حکم ہے کہ یہودیوں عیسائیوں یا دوسرے کافروں میں سے جو لوگ دین سے تمسخر کرنے والے ہوں ان سے (نہ کہ ان کی ساری قوم سے) دوستانہ تعلقات نہ رکھو ورنہ تم بھی ان ہی میں شامل سمجھے جاؤ گے اس حکم کے ماتحت گو انگریزوں سے ہماری صلح ہو مگر جو انگریز بھی ہمارے دینی احکام پر ہنسے گا اور دین پر بجائے سنجیدگی سے غور کرنے کے تمسخر اُڑائے گا ہم اس سے میل ملاپ نہ کریں گے اور اس کی صُحبت میں نہ بیٹھیں گے جب تک وہ سنجیدگی پیدا نہ کرے۔ اسی طرح ہنود سے گو ہماری صُلح ہو مگر ان میں سے اگر کوئی شخص ہمارے دین سے تمسخر کرے گا تو ہم اس کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا بند کر دیں گے جب تک وہ اپنی اس عادت سے باز نہ آجاوے اور اگر کوئی ایسے شخص سے دوستانہ تعلقات رکھے گا اور اس کی مجلس میں خوب شوق سے جاتا ہوگا تو ہم اس کی نسبت بھی یقین کریں گے کہ وہ اسلام سے بیزار ہے اور اس شخص کا ہم خیال ہے۔

ان ہر دو قسم کی آیات کے احکام میں فرق

غرض پہلی چار آیات میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ اقوام کے متعلق ہیں جن اقوام پر وہ احکام چسپاں ہوتے ہوں ان کے کسی فرد سے بھی ہم تعلق نہیں رکھ سکتے جب تک وہ ان کو چھوڑ کر ہم سے نہ

آ ملے۔ اور پانچویں آیت میں مدد لینے یا دینے کے متعلق کوئی ارشاد نہیں صرف یہ حکم ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہوں ان سے قلبی محبت نہ رکھو۔ اور پچھلی دونوں آیتوں میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ افراد کے متعلق ہیں جس شخص میں وہ عیب پایا جائے گا جو ان آیتوں میں بیان کیا گیا ہے اس سے ہم تعلق توڑ دیں گے باقی قوم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

اسلام نے تنگ دلی نہیں سکھائی

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام نے تنگ دلی نہیں سکھائی اور ان آیات کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام پر بغرض تحقیق بھی اعتراض کرے تو ہم اس سے تعلق قطع کر دیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص تمسخر کرے اور حق جوئی اس کے مدِ نظر نہ ہو بلکہ تحقیر اور ہنسی مذاق اُڑانا مدِ نظر ہو اس کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا موقوف کر دیں کیونکہ یہ فعل بے غیرتی پر دلالت کرتا ہے اور بے غیرتی نہایت رذیلے اخلاق میں سے ہے۔

آیت پیش کردہ (المائدۃ: ۵۲) اور سیّد رشید رضا کا ایک واقعہ

سید محمد رشید رضا صاحب ایڈیٹر المنار مصر جن سے ہندوستان کے اکثر لوگ واقف ہوں گے کیونکہ وہ ۱۹۱۲ء میں ندوۃ العلماء کے جلسہ کے پریذیڈنٹ ہونے کے لئے ہندوستان آئے تھے اور ہندوستان کے مشہور مقامات کا ایک دورہ بھی انہوں نے کیا تھا انہوں نے آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ (المائدۃ: ۵۲) کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جس کا اس جگہ لکھ دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۲ء میں میں قسطنطنیہ گیا تھا وہاں کی یونیورسٹی میں مَیں دینی تعلیم کی حالت دیکھنے گیا۔ ایک مدرس اس آیت کی تفسیر بیان کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس آیت سے نکلتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ سے بالکل تعلق نہیں رکھنا چاہئے اور ان سے دوستی نہیں کرنی چاہئے۔ جب وہ مدرس ترکی میں تقریر کر چکا۔ ایک طالب علم کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ پھر سلطنت عثمانیہ کیوں ان دونوں قوموں کو پارلیمنٹ کا ممبر بناتی ہے اور وزارت تک کے عہدے دیتی ہے؟ اس پر مدرس ایسا گھبرایا کہ اس کے ماتھے پر پسینہ آگیا۔ کیونکہ اگر وہ کہتا کہ یہ حکومت کی غلطی ہے تو ڈر تھا کہ مارا جاتا اور بیضاوی کے لکھے ہوئے معنوں کے سوا اس کے دماغ میں اور کوئی معنے تھے ہی نہیں۔ اِس پر مَیں نے کہا کہ کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟ اس نے اجازت دی اور مَیں نے اسے ولایۃ کے معنے بتائے اور بتایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ان قوموں سے کیسے تعلق تھے؟ پس ولایۃ سے مراد ان کفار کی مدد ہے جو برسرپیکار تھے ورنہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانہ حکومت

ہیں ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے ہیں اور عباسیوں نے تو وزیر تک بنائے ہیں۔ اس پر سائل کی تسلّی ہوگئی اور مدرس صاحب کا خوف دُور ہوگیا۔ گو سید رشید رضا صاحب کی نظر ان معنوں تک نہیں پہنچی جو مَیں نے لکھے ہیں مگر بہر حال یہ واقعہ جو انہوں نے بیان کیا ہے ترک موالات کے حامیوں کے لئے ایک سبق ہے۔

تیسری قسم کی آیت

آٹھویں آیت جو ترک موالات کے حامیوں نے پیش کی ہے یہ ہے۔ تَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۱-۸۲) "ان میں سے بہت تم ایسے دیکھو گے جو رفیق بنتے ہیں کافروں کے۔ بے شک بُرا ہے وہ جو آگے بھیجا ہے انہوں نے خود اپنے لئے کہ اللہ کا غضب ہے ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں ہیں اور اگر یقین رکھتے وہ اللہ پر اور نبیؐ پر اور جو نبیؐ کی طرف اتارا گیا تو کافروں کو رفیق نہ بناتے لیکن ان میں بہت سے نافرمان ہیں"۔

یہ آیت یہود کے متعلق ہے

معلوم ہوتا ہے کہ راقمان فتویٰ نے اس آیت کو قرآن کریم سے نکال کر نہیں پڑھا بلکہ کلید میں سے ہی دیکھ کر اس کو درج کر دیا ہے یا کسی ناواقف حافظ سے تولّی کی آیات دریافت کر کے لکھ دی ہیں کیونکہ یہ آیت یہود کی نسبت ہے مسلمانوں کی نسبت نہیں اللہ تعالیٰ یہود کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ یہود کفار سے دوستی کرتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ اس آیت سے پہلی آیات میں یہود کا ہی ذکر ہے چنانچہ اس آیت سے پہلی دو آیتیں یہ ہیں۔ (۱) لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ (۲) كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (المائدۃ: ۷۹-۸۰) یعنی بنی اسرائیل میں سے کافر لعنت کئے گئے ہیں داؤدؑ کی زبان سے بھی اور عیسٰی بن مریمؑ کی زبان سے بھی یہ ان کی نافرمانی اور انکے حد سے نکل جانے کا نتیجہ تھا یہ لوگ ان بدیوں سے جن کے مرتکب تھے باز نہیں آتے تھے ضرور بہت بُرا تھا جو وہ کرتے تھے۔" اس سے آگے پھر وہ آیت ہے جسے مفتیوں نے لکھا ہے پس اس آیت کے مخاطب تو یہود ہیں نہ کہ مسلمان۔

ایک سوال اور اس کا جواب

شائد اس موقع پر یہ کہا جاوے کہ اس میں چونکہ یہ ارشاد ہے کہ اگر یہود خدا اور رسولؐ پر ایمان لاتے تو ایسا نہ کرتے اس لئے اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کفار سے تولّی جائز نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ مَیں ابھی ثابت کروں گا یہود پر اس آیت میں محض کفار کی دوستی کا الزام نہیں لگایا گیا بلکہ اصل اعتراض اور کیا گیا ہے پس باوجود اس فقرہ کے کہ اگر یہود مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے اس سے ترک موالات کی تائید میں استدلال کرنا درست نہیں۔

اس آیت کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ یہود میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مشرکوں سے دوستی کرتے ہیں حالانکہ اگر یہ مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ اس خلاصہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس جگہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء نہیں ہے کہ یہود مشرکوں سے کیوں دوستی کرتے ہیں؟ اگر یہ مسلمان ہوتے تو مشرکوں سے دوستی نہ کرتے کیونکہ نہ تو یہود کا مشرکوں سے دوستی کرنا کوئی عجیب بات تھی اور نہ یہ قابل بیان بات تھی کہ اگر یہ مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے۔ یہود کا مشرکوں سے دوستی کرنا اس لئے قابل تعجب نہیں کہ ان کی مشرکوں سے جنگ نہ تھی پس کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ان سے دوستانہ تعلق نہ رکھتے اور یہ بات کہ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو مشرکوں سے دوستی نہ کرتے اس لئے قابل بیان نہیں کہ مسلمانوں کی کفار سے چونکہ جنگ تھی جو ان کے ساتھ شامل ہوتا وہ ضرور مشرکوں سے قطع تعلق کر ہی لیتا پس اگر یہ معنے کئے جاویں جو اوپر بیان ہوئے ہیں تو نہ پہلا جزو آیت کا قابل تعجب معلوم ہوتا ہے اور نہ دوسرا قابلِ بیان۔ اور ایسے معنوں کو قرآن کریم کی طرف منسوب کرنا جو حکمت سے خالی ہوں سخت ظلم ہے۔ قرآن کریم تو وہ کتاب ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ نہیں بلکہ ایک ایک حرف بلکہ ایک ایک حرکت معنے خیز ہے اور اس کا کوئی فقرہ بھی حکمت سے خالی نہیں اور سارے کا سارا مفید معلومات اور زبردست صداقتوں سے پر ہے تم ایک معمولی عقل کے آدمی کی نسبت بھی یہ اُمید نہ کرو گے کہ وہ ان خصوصیات کی نسبت جو اس کی جماعت کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں یہ کہے کہ فلاں جماعت ایسا کیوں نہیں کرتی؟ اگر وہ ہمارے ساتھ ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتی۔ کوئی سمجھ دار مسلمان یہ فقرہ نہیں کہے گا کہ افسوس ہے کہ مسیحی نماز نہیں پڑھتے اگر وہ مسلمان ہوتے تو وہ بھی نماز پڑھا کرتے۔ یا یوں نہ کہے گا کہ افسوس ہے کہ ہندو لوگ حج نہیں کرتے اور وہ مسلمان ہوتے تو وہ بھی حج کرتے۔ یا یہ کہ افسوس ہے کہ سکھ لوگ رمضان کے روزے نہیں رکھتے اگر وہ بھی مسلمان ہوتے تو روزے رکھتے۔ نماز اور زکوٰۃ اور حج تو اسلام کے خاص احکام ہیں اس میں کیا شک ہے کہ جو مسلمان نہیں وہ یہ کام نہ کرے گا کیونکہ احکام

ان باتوں میں سے نہیں جو فطرت کے تقاضوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو سچے دل سے مسلمان ہو جاوے گا وہ یہ کام کرنے لگ جاوے گا اگر کوئی عقلی بات ہوتی یا فطرتی تقاضا ہوتا تب اس قسم کا کلام کہا جاسکتا تھا کیونکہ عقلی باتیں یا فطرتی تقاضے کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے ہر عقلمند انسان سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ ان کے مطابق عمل کرے گا اور جو قوم فطرت کی آواز کا جواب دینے کی عادت رکھتی ہے اس کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اگر فلاں شخص اس قوم میں ہوتا تو فطرتی تقاضوں یا عقل کی باتوں کے پورا کرنے میں کوتاہی نہ کرتا مثلاً گو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ افسوس ہے ہندو لوگ نماز نہیں پڑھتے اگر یہ مسلمان ہوتے تو نماز پڑھا کرتے مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فلاں ۔نیچ قوم کے لوگ تعلیم سے غافل ہیں اگر وہ لوگ مسیحی یا ہندو یا مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے ۔پس جب تک اس آیت کے الفاظ کسی عقلی قانون کی طرف اشارہ نہ کریں اس کے کوئی معنے بنتے ہی نہیں اور خدا تعالیٰ کے حکیمانہ کلام پر حرف آتا ہے ۔پس حق یہی ہے کہ یہ آیت ایک عقلی قانون کی طرف اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہود اہل کتاب ہیں اور مسلمان بھی اہل کتاب ہیں مسلمان ان کے تمام نبیوں کو مانتے ہیں ان کی شریعت اور ان کی تعلیم کے ایک بڑے حصہ کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کی طرح ایک خدا کے ماننے والے ہیں ۔پس عقل یہ چاہتی تھی کہ جو جتنا قریب ہوتا اس کے قرب کے مطابق سلوک کیا جاتا اور یہ بات بالکل خلاف عقل تھی کہ جو لوگ زیادہ قریب ہوتے ان سے دُور رہا جاتا ہے اور جو دُور ہوتے ان کی تائید کی جاتی مگر یہود ایسا ہی کرتے تھے چنانچہ قرآن کریم یہود کی نسبت فرماتا ہے ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ (النساء : ۵۲) "یعنی کیا تو نے دیکھا ان لوگوں کو جو کتاب میں سے حصہ دیئے گئے کہ یہ بدفالیوں اور شریروں اور شیطانوں کی باتوں کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفار مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں" اسی کے متعلق اللہ فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہوتے تو کبھی یہ بے اُصولا پن نہ کرتے بلکہ ہر ایک قوم کو اس کی حقیقی منزلت پر رکھتے چنانچہ قرآن کریم نے نہ صرف یہ کہ سلوک میں یہود و نصاریٰ کو کفار پر فضیلت دی ہے کہ ان کی لڑکیاں لینی جائز رکھی ہیں اور مشرکوں کی نہیں ان کے کھانے جائز رکھے ہیں اور مشرکوں کے نہیں بلکہ خود یہود و نصاریٰ کو سمجھایا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی خوبیوں کا انکار نہ کیا کرو چنانچہ فرمایا کہ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (البقرة : ۱۱۴) یعنی یہود

کہتے ہیں کہ نصاریٰ میں کوئی خوبی نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود میں کوئی خوبی نہیں حالانکہ دونوں بائیبل پڑھتے ہیں (جس میں کئی خوبیاں ہیں) اسی طرح وہ لوگ جو جاہل تھے کہا کرتے تھے یعنی ایک دوسرے کی خوبیوں کو بالکل نظر انداز کر دینا اور لڑائی جھگڑے کے وقت نیکی اور بدی کا موازنہ نہ کرنا تو جہلاء کا کام ہے۔ غرض اس آیت میں اس بات پر زور نہیں دیا گیا کہ اگر یہود مسلمان ہوتے تو کفار سے دوستی نہ کرتے کیونکہ یہ تو ایسی بات تھی جس کے کہنے میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ یہود کی چونکہ کفار سے جنگ نہ تھی وہ ان سے تعلق رکھتے تھے اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو چونکہ مسلمانوں سے کفار کی جنگ تھی وہ ان سے دوستی ترک کر دیتے۔ پس آیت کا یہی مطلب ہے کہ یہود مذہبی معاملہ میں بھی مشرکوں کی تائید کرتے ہیں اور مسلمانوں کے مذہب کی حقارت کرتے ہیں اور ان کو مسلمانوں سے اچھا قرار دیتے ہیں حالانکہ ان سے ان کو مذہب میں کوئی اشتراک نہیں لیکن مسلمانوں سے سینکڑوں اشتراک کی وجوہ موجود ہیں اگر یہ مسلمان ہوتے تو ایسا نہ کرتے یعنی اسلام نے جو اخلاق اور تہذیب سکھائی ہے وہ اس بات سے مانع ہے کہ کوئی شخص عداوت میں حق کو بھی ترک کر دے اور گویا اس طرح یہودی مذہب پر اسلام کی فضیلت ثابت کی ہے۔ (افسوس! کہ آج باوجود قرآن کریم کے احکام صریح کے مسلمان بھی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ بارہا متعصب لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ان احمدیوں سے تو ہندو اور عیسائی اچھے ہیں۔ بعض لوگ اپنے رشتہ داروں سے کہتے ہیں کہ تم عیسائی ہو جاؤ تو پرواہ نہیں مگر احمدی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی آنکھیں کھولے) پس اس آیت سے ترک موالات کا حکم نکالنا صریح بے انصافی ہے اور قرآن کریم کی آیات کا غلط استعمال ہے۔

اگر اس آیت میں عام دوستی مراد لی جائے تو بھی اس سے ترکِ موالات ثابت نہیں ہوتی

اگر اس آیت کے وہ معنی نہ بھی کئے جاویں جو میں نے کئے ہیں اور یہی مراد لی جائے کہ اس آیت میں عام دوستی مراد ہے تو بھی یہ آیت ترک موالات کی تائید میں نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں تو یہودیوں پر افسوس کیا گیا ہے کہ وہ مشرکوں سے دوستی کرتے ہیں پس جب قرآن کریم یہود پر اس لئے افسوس کرتا ہے کہ وہ کیوں مسلمانوں کے مقابلہ میں جو کتاب کے ماننے والے ہیں مشرکوں سے دوستی رکھتے ہیں تو کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اس آیت سے یہ استدلال کیا جائے کہ انگریزوں سے جو مسیحی ہیں اور قرآن کریم کے ارشاد اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً کے مصداق ہیں یعنی سب کفار سے زیادہ مسلمانوں سے محبت رکھنے والے ہیں ترک موالات کیا جائے اور دوسری اقوام سے جو اہل کتاب نہیں ہیں دوستی کی جائے کیا اس سے

بھی زیادہ اُلٹ فتویٰ کوئی ہو سکتا ہے قرآن کریم تو کہے کہ اہلِ کتاب کے مقابلہ میں مشرکوں سے کیوں دوستی کرتے ہو؟ اور فتویٰ یہ دیا جائے کہ اہلِ کتاب سے تو ترک موالات کرو اور غیر اہلِ کتاب سے دوستی۔ یہ تو ایسا فتویٰ ہے جسے اس آیت کے الفاظ نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ اس کے مخالف تعلیم دیتے ہیں۔

اس آیت میں ظاہری دوستی مراد نہیں بلکہ مذہبی جنبہ داری مراد ہے

اصل بات یہی ہے کہ اس آیت میں ظاہری دوستی پر زور نہیں دیا گیا بلکہ یہود جو مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکوں سے مذہبی جنبہ داری کرتے تھے اس پر ان کو ڈانٹا ہے کہ وہ ایسے خلافِ عقل طریق کو کس طرح اختیار کرتے ہیں اور بتایا ہے کہ یہ حرکت اسی امر کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے سچے دین کا انکار کرکے اپنی فطرت کو مسخ کر لیا ہے۔

مفتیوں کی پیش کردہ آیات کے علاوہ بعض دیگر ایسی آیات

اب میں ان آٹھوں آیتوں کی صحیح تفسیر بیان کرنے کے بعد جو ترک موالات کے حامی پیش کرتے ہیں بعض اور آیات بھی لکھ دیتا ہوں جن کو اسی مسئلہ کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے تاکہ اس مسئلہ پر نظر ڈالتے ہوئے وہ بھی نظر کے نیچے رہیں۔

پہلی آیت

ایک آیت تو یہ ہے۔ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۚ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ (اٰل عمران: ۱۱۹) یعنی "اے مومنو مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا رازدان دوست نہ بناؤ یہ لوگ تم کو نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ تم دُکھ میں پڑ جاؤ۔" اس آیت کا مضمون بھی پہلی آیات سے ملتا ہے اور یہی مطلب ہے کہ جن قوموں سے جنگ ہے ان کے افراد سے گہری دوستیاں نہ کرو کیونکہ یہ بات نقصان رساں ہوتی ہے اور اگر یہ شرط نہ لگائی جائے تو سورہ ممتحنہ کی آیت لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْآ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الممتحنہ: ۹) جسے خود مفتیان ترک موالات نے پیش کیا ہے بے مطلب رہ جاتی ہے۔

دوسری آیت

دوسری آیت سورہ توبہ کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْآ اٰبَآءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيْمَانِ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (التوبہ: ۲۳) یعنی

"اے مومنو! اگر تمہارے باپ اور بھائی کفر کو ایمان سے زیادہ پسند کرتے ہیں تو ان سے دوستی نہ کرو"
اس آیت کے آگے اور پیچھے جہاد کا ہی ذکر ہے پس اس جگہ بھی دوستی سے مراد ان لوگوں سے تعلق ہے جو اس وقت مسلمانوں سے دین کی وجہ سے لڑ رہے تھے اور اگر اس کو عام کیا گیا تو پھر ہندوؤں سکھوں وغیرہ قوموں سے بھی اس آیت کے ماتحت تعلق منع ہو جاوے گا اور اگر ان سے موالات کرنا سورہ ممتحنہ والی آیت کے ماتحت جائز قرار دیا گیا تو انگریزوں سے موالات کی اجازت بھی اسی آیت سے نکل آوے گی۔

تیسری آیت

اسی طرح ایک یہ آیت بھی سند کے طور پیش کی جاسکتی ہے کہ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ: ۳) بدی اور زیادتی کے معاملہ میں کسی کی مدد نہ کرو" اور یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ چونکہ انگریز اس وقت ایک گناہ کا کام کر رہے ہیں اس لئے ہمیں ان کی مدد نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس سے ان کو طاقت ملے گی اور یہ گناہ اور زیادتی پر اور بھی دلیر ہو جاویں گے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم نے دوسری کتب مقدسہ سے ایک زائد تعلیم دی ہے جو اور کسی کتاب میں موجود نہیں (میرا مطلب یہ ہے کہ اس امر کے متعلق۔ ورنہ ہزاروں تعلیمیں پرانی کتب سے زائد ہیں بلکہ نئی فلسفی کتب سے بھی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کہاں دیگر کتب کہاں قرآن کریم) اور وہ یہ ہے کہ اس نے بد اور بدی میں فرق کیا ہے اس نے بہت سے موقعوں پر بد کو قابلِ رحم قرار دیا ہے لیکن بدی کو سرسری نظر سے دیکھنے کی کبھی اجازت نہیں دی۔ وہ بد کے متعلق حکم دیتا ہے کہ اس سے عفو سے کام لو لیکن بدی کی نسبت کہیں نہیں فرماتا کہ اس سے بھی چشم پوشی سے کام لو۔ چنانچہ اس آیت کے پہلے حصہ میں اس نے حکم دیا ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدۃ: ۳) "کسی قوم کی دشمنی یعنی اس کا تم کو مسجد الحرام سے روکنا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس پر زیادتی کرو۔ یہ نہ کرو بلکہ اس کے برخلاف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں لوگوں کی مدد کرو" اور آگے فرمایا وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ: ۳) "اور نہ مدد کرو آپس میں ایک دوسرے کی گناہ اور زیادتی میں"۔ پس اس آیت میں جہاں ایک طرف ظالم کے لئے موقع مناسب کے مطابق رحم کی سفارش کی ہے وہاں دوسری طرف بدی کے مٹانے کی بھی تعلیم دی ہے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ گنہگار اور زیادتی کرنے والے کے ساتھ مل کر کوئی کام نہ کرو بلکہ یہ ارشاد کیا گیا ہے کہ گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔ پس گو انگریزوں سے کوئی

غلطی سرزد ہو اور انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم ان کاموں میں ان کے ساتھ کام کرنا چھوڑ دیں جو اپنی ذات میں گناہ نہیں ہیں اور یہ کام جن کو اب چھڑوایا جاتا ہے ان کو پہلے کبھی مذہباً ایسا بُرا نہیں کہا گیا کہ ان کا کرنا حرام ہے پس دوسرے سوالوں کی وجہ سے ان کاموں میں موالات نہیں چھوڑی جاسکتی ہاں اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ آثم اور عادی کے ساتھ مل کر کوئی کام بھی نہ کرو خواہ وہ دین یا دنیا میں فائدہ مند ہی کیوں نہ ہو۔ تب بے شک یہ فتویٰ قابلِ غور ہوسکتا تھا۔

مولوی محمود الحسن صاحب کے فتویٰ میں ایک حدیث کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول کریمؐ سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسولؐ اللہ! اگر ہم لوگ کفار سے قطع تعلق کرلینگے تو پھر ہمارے رشتہ دار چُھٹ جائیں گے اور ہماری تجارتیں تباہ ہو جائیں گی★ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ : ۲۴) کہہ دو تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور مال جو تم نے کمایا ہے اور تجارت کی کساد بازاری جس سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جو تم کو پسند ہیں۔ اگر یہ سب تم کو خدا اور خدا کے رسولؐ اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو منتظر رہو تاکہ لے آئے اللہ اپنے حکم کو۔ اور اللہ دستگیری نہیں کرتا اس قوم کی جو نافرمان ہو۔"

اس حدیث کے بیان کرنے میں مولوی صاحب موصوف کو اس بات کا بتانا مدِّنظر ہے کہ ترک موالات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ہؤا ہے اور یہ کہ جو لوگ نقصان کے خوف سے اس سے ڈریں وہ خدا کے نافرمان ہیں یہ سوال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی اُٹھ چکا ہے کہ ترک موالات سے بہت نقصان ہوگا اور اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ حل کرچکا ہے کہ خواہ کس قدر نقصان بھی ہو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

اس حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے میرے نزدیک یہ ضروری ہے کہ اس آیت کا زمانۂ نزول دیکھا

★ تفسیر معالم التنزیل مؤلفہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی جلد ۲ صفحہ ۲۷۷ زیر آیت "قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ........" (ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

جائے کیونکہ اگر یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب آپؐ ہجرت فرما چکے تھے اور جب کفارِ مکہ سے جنگ چھڑ چکی تھی۔ تو تب تو اس حدیث سے کوئی زائد امر پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا کوئی بھی منکر نہیں کہ جن کفار سے مسلمان برسرِ جنگ ہوں ان کے ساتھ محبت اور تناصر کا تعلق رکھنا اور انکے زیرِ اقتدار ملک میں رہنا یہ سب منع ہے اور یہی مطلب ان آیات کا ہے جو پہلے گزر چکی ہیں لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آیت ہجرت سے پہلے اتری ہے تو پھر ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ اس حدیث کا جو اس آیت کا شانِ نزول بتاتی ہے کیا مطلب ہے؟ جب ہم تفاسیر کو اس غرض کے لئے دیکھتے ہیں تو سب کی سب متفق نظر آتی ہیں کہ سورہ توبہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور بعض تو اسے فتح مکہ کے بعد کی بتاتے ہیں مگر اس بات پر اکثر متفق ہیں کہ یہ سورۃ ساری کی ساری مدنی ہے اس کا کوئی حصہ مکی نہیں۔ بعض لوگ اس قدر اختلاف کرتے ہیں کہ آخر کی دو آیتیں مدنی نہیں ہیں لیکن ان کی نسبت اِس جگہ سوال نہیں جس حصہ کی نسبت سوال ہے وہ تمام مفسرین کی رائے کے مطابق مدنی ہے اور مدینہ میں آنے کے بعد چونکہ کفارِ مکہ کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی تھی اس لئے ان سے تعلقات قطع کرنے کا حکم تھا جیسا کہ پہلی آیات کی تشریح کرتے وقت بیان کیا جا چکا ہے۔

فتویٰ میں حدیث اُدھوری لکھی گئی ہے

اس آیت کی تفسیر میں جہاں وہ روایت بیان کی گئی ہے جو مولوی محمود الحسن صاحب نے تحریر فرمائی ہے وہاں اس کے ساتھ ایک اور فقرہ بھی ہے جو ان کے فتویٰ میں درج ہونے سے رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے ثُمَّ رَخَّصَ لَهُمْ بَعْدَ ذَالِكَ یعنی "پہلے تو رسول کریمؐ نے یہ حکم دیا تھا کہ کفار سے کلی طور پر قطع تعلق کر لو لیکن بعد میں اجازت دے دی گئی تھی۔"

یہ فقرہ دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو اس کے یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ جب کفار سے جنگ ختم ہو گئی تو چونکہ وہ حالات بدل گئے تھے جن کی وجہ سے قطع تعلق کا حکم تھا اس لئے بعد میں تعلقات رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ اور یا یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ علاوہ دوستانہ تعلق سے منع کرنے کے جو کہ جنگ کے دنوں میں کسی طرح قائم نہیں رکھے جا سکتے۔ آپ نے بعض اور تمدنی تعلقات سے بھی صحابہؓ کو روک دیا ہو مگر بعد میں اس حکم کو منسوخ کر دیا ہو۔ ان دونوں معنوں میں سے کوئی سے معنے بھی کئے جاویں۔ موجودہ زمانہ میں ترک موالات کا حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے تو اس کا اثر اس زمانہ میں کچھ ہے ہی نہیں اور اگر یہ دورانِ جنگ کے زمانہ کے لئے حکم تھا بعد میں حالات کے تغیر کی وجہ سے اس پر عمل کرنا چھوڑا گیا تو اس وقت انگریز ہم سے برسرِ جنگ نہیں ہیں پس ثُمَّ رَخَّصَ لَهُمْ کا فقرہ جسے فتویٰ

نویس صاحبان نے درج نہیں کیا اس حدیث کے معنوں کو بالکل حل کر دیتا ہے اور اس وقت انگریزوں سے ترک موالات کرنے کے متعلق اس میں سے کوئی حکم نہیں نکلتا۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس قدر بھی دلائل اس وقت تک ترک موالات کی تائید میں دیئے جاتے ہیں ان سے موجودہ زمانہ میں ترک موالات کا فرض ہونا تو کیا اس کا واجب یا سنت ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا اور یہ کہنا کہ اس وقت شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق ہم ترک موالات کا فتویٰ دیتے ہیں ایک ظلم عظیم ہے اور اسلام سے ہنسی کرنا ہے۔ ترک موالات کے حامی عقل کی رو سے مصلحت زمانہ کی رو سے، ضروریات موجودہ کی رو سے جس قدر چاہیں ترک موالات پر زور دیں مگر شریعت سے اس کا فرض ہونا ثابت کرنا ایک ایسا اندھیر ہے جو نصف النہار کے سورج کا انکار کرنے سے بھی زیادہ ہے اور اسلام کا ادب اور شریعت کا احترام رکھنے والا انسان کبھی اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

شائد بعض لوگ اس جگہ پر یہ شبہ پیدا کریں کہ انگریز اس وقت چونکہ ایک اسلامی حکومت سے برسر جنگ ہیں اس لئے ان سے ترک موالات کا حکم ہے۔ اور یہ بات تم خود تسلیم کر چکے ہو کہ قرآن کریم نے حربی کفار سے ترک موالات کرنے کو فرض قرار دیا ہے پس جبکہ انگریز ترکوں سے جنگ کر رہے ہیں ان سے حربی کافروں والا سلوک ضروری ہے۔

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ اوّل تو یہ غلط ہے کہ انگریز اس وقت ترکوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ انگریزی حکومت کی اس وقت ترکوں سے صلح ہے اور دونوں حکومتوں کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا ہے پس اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو جو انگریزی حکومت کی رعایا ہیں حکام کے برخلاف ترک موالات کرنے کی اجازت بھی ہوتی تو بھی اس وقت ان کے لئے یہ امر جائز نہ تھا۔ کیونکہ اب جنگ ختم ہو چکی ہے اور آپس میں صلح ہو چکی ہے۔ تعجب ہے کہ جو وقت اس سوال کے اُٹھانے کا تھا اس وقت تو اُٹھایا نہیں گیا بلکہ مسلمان بجائے ترک موالات کے خود لاکھوں کی تعداد میں انگریزی لشکر میں شامل ہوئے اور ترکوں سے جا کر لڑے لیکن اب جنگ کے بعد جب صُلح ہو گئی ہے تو یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے۔ کیا اس وقت مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ ترکی حکومت کی تباہی کے بعد اتحادی ان کے سب ملک ان کو پھر واپس کر دیں گے بلکہ کچھ اور ملک اپنے پاس سے بھی دے دیں گے؟ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت ہمیں شرائط صُلح کا پتہ نہیں تھا کیونکہ اوّل تو شرائط صلح معلوم ہوں یا نہ معلوم ہوں ہر ایک عقلمند انسان

سمجھ سکتا تھا کہ اس قدر خطرناک جنگ کے بعد نقشہ وہی نہیں رہ سکتا جس طرح کہ پہلے تھا۔ دوم جنگ کے دوران میں ہی اتحادیوں کی طرف سے یہ اعلان ہو چکے تھے کہ جن ممالک کی زیادہ آبادی غیر اقوام کی ہے ان کو ترکوں کے ماتحت نہیں رکھا جاوے گا اور اس شرط کے ماتحت شام، فلسطین، عرب، عراق وغیرہ علاقے جنگ کے بعد خود بخود ترکوں کے ہاتھ سے نکل جانے تھے اور اس کا علم ساری دُنیا کے لوگوں کو تھا۔ اگر کسی بات کا علم نہ تھا تو فقط تھریس اور سمرنا کا۔ پس لاعلمی کا دعوٰی بالکل باطل ہے۔

اگر بفرض محال اس وقت ترک موالات فرض ہے تو اس کا پہلا قدم یہاں سے ہجرت ہے

پھر اگر بفرض محال مان ہی لیا جاوے کہ انگریز اب تک برسرِ جنگ ہیں اور حربی کافر ہیں تو پھر یاد رکھو کہ تمہارا پیچھا صرف ترک موالات سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اگر یہ بات درست ہے کہ انگریز حربی کافر ہیں اور اگر یہ بات درست ہے کہ یہ اسلام کے مٹانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال رہے ہیں تو ترک موالات بے شک فرض ہے اور اس کا تارک منافق ہے۔ لیکن اس سے پہلے ایک اور قدم ہے جس کا اُٹھانا ضروری ہے۔ تم انگریزوں کو حربی کافر قرار دے کر صرف ان کے سکولوں اور کالجوں کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتے۔ تم ان کی عدالتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں کر سکتے۔ تم ان کے خطاب واپس دے کر اپنی روحوں کو موت سے نہیں بچا سکتے۔ تم انکی کونسلوں کا بائیکاٹ کر کے سچے مسلم نہیں بن سکتے۔ بلکہ اس صورت میں تم پر واجب ہے کہ تم اس ملک کو چھوڑ دو جس پر وہ حکمران ہیں یہی قرآن کریم کا حکم ہے اور تمام دُنیا کے علماء بھی مل کر اسے چھوڑ کر اور کوئی فتویٰ نہیں دے سکتے کیونکہ شریعت کامل ہو چکی ہے اور اب کوئی نیا حکم نہیں آ سکتا۔ اگر ترک موالات اس وقت فرض ہے تو ترک موالات سے پہلا قدم ہجرت ہے جس کے اُٹھائے بغیر تم ترک موالات نہیں کر سکتے۔ ہجرت و ترک موالات وغیرہ احکام ایسے نہیں ہیں کہ جو صرف الفاظ میں محدود ہوں اور عملی طور پر ان کی تفسیر نہ کی گئی ہو۔ ان احکام پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بار بار صحابہؓ نے عمل کر کے دکھایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں عمل کر کے دکھایا ہے۔ پس ان کی تشریح میں غلطی نہیں ہو سکتی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہجرت کے بعد مکّہ والوں سے مسلمانوں کی جنگ تھی۔ ان کے ملک میں ان کے زیرِ اقتدار مسلمان بھی بستے تھے لیکن ان کو کبھی بھی ترک موالات کا حکم نہیں دیا گیا۔ ترک موالات کا حکم ان لوگوں کے لئے تھا جو کفار کے علاقہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے تھے۔ جو لوگ کفار کے ہی علاقہ میں تھے ان کے لئے پہلا حکم ہجرت تھا۔ جب تک وہ ہجرت نہ کرتے وہ مسلمانوں میں شامل ہی نہ ہو سکتے تھے اور اسی لئے اسلامی احکام کے پابند ہی نہ سمجھے جاتے تھے

یہ حکم تبھی آ کر منسوخ ہوا جب کہ مکّہ فتح ہو گیا اور کُفر کا زور ٹوٹ گیا اور اگر آج پھر وہی حالت ہے کہ ایک دشمنِ اسلام، اسلام کو مٹانے کیلئے اور لوگوں کو جبراً اسلام سے مُرتد کرنے کے لئے مسلمانوں پر فوج کشی کر رہا ہو تو اس وقت پھر وہی حکم جاری ہوگا جو اس وقت جاری تھا اور اس صورت میں جو شخص ہجرت نہیں کرتا خواہ وہ کتنے ہی خطاب ترک کر دے۔ کالج کی تعلیم چھوڑ دے نوکری چھوڑ دے بلکہ انگریزوں کا بنایا ہوا کپڑا بھی چھوڑ دے تو بھی وہ شخص مسلم کہلانے کا مستحق نہیں کیونکہ قرآن کریم ان حالات میں ہجرت نہ کرنے والے کو منافق کہتا ہے اور صاف طور پر کفار میں شامل کرتا اور جہنمی قرار دیتا ہے۔

عدمِ استطاعتِ ہجرت کا عذر اور اس کا جواب

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم میں ہجرت کی طاقت نہیں کیونکہ ہجرت کے راستہ میں روک صرف جسمانی نا قابلیتیں سمجھی گئی ہیں جیسے کوئی شخص ایسا بوڑھا ہو کہ چل نہ سکتا ہو یا اندھا ہو یا لنگڑا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ چارپائی پر سے اُٹھ نہ سکتا ہو یا عورت ہو یا بچہ ہو۔ جسمانی کمزوریوں کے سوا دوسرے عذر اس معاملہ میں نہیں سُنے جاتے اور ان سب عذرات کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں لغو اور بیہودہ قرار دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء: ۹۸ تا ۱۰۱)

"وہ لوگ جن کی رُوح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں (تمام مفسرین اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی ہوئی ہوتی) ملائکہ ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس خیال میں تھے؟ یعنی تم نے کیوں ہجرت نہیں کی؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے ہجرت کیونکر کرتے؟ وہ کہیں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ پس یہ لوگ جہنم میں ڈالے جاویں گے اور یہ بُرا ہی ٹھکانا ہے۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو واقعی معذور ہیں۔ مردوں یا عورتوں یا بچوں میں سے جن کے اس ملک سے نکلنے کا کوئی سامان ہی نہیں

اور نہ راستہ جانتے ہیں۔ پس یہ لوگ ایسے ہیں کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہجرت کرے وہ دنیا میں مصائب سے بچنے کے کئی راستہ پاوے گا اور کشائش دیکھے گا۔ اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہجرت کرتا ہے پھر اس کو موت آجاتی ہے تو اس کا بدلہ خدا کے حضور میں مسلّم ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔" اس آیت سے ثابت ہے کہ سوائے ان اشخاص کے کہ جسمانی عوارض کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکیں اور دوسرے لوگ خواہ غربت کا عذر رکھتے ہوں خواہ تعلقات کا، خواہ چھوٹے درجہ کے لوگ ہوں، خواہ بڑے درجہ کے لوگ ہوں، عالم ہوں کہ جاہل سب پر ہجرت فرض ہے اور اگر وہ ہجرت کئے بغیر مر جاویں تو وہ جہنمی ہوں گے۔

اس عذر کا جواب کہ یہ حکم ہجرت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے متعلق ہے

شائد کوئی اس جگہ کہہ دے کہ یہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی بات ہے اب تو یہ حکم نہیں۔ مگر یہ حیلہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر اس طرح احکام کو محدود کرنے لگیں تو قرآن کریم کے تو بہت تھوڑے احکام رہ جائیں گے جو سب مسلمانوں کے لئے ہوں گے کیونکہ بالعموم قرآن کریم میں مخاطب کر کے احکام نازل ہوتے ہیں پس جیسا کہ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ احکام ہر زمانہ کے لئے ہیں۔ جب بھی یہ حالت ہو گی کہ ایک کافر حکومت اسلام کے مٹانے کے لئے تلوار پکڑے گی تو اس کے ماتحت رہنے والے مسلمانوں کو حکم ہوگا کہ وہ اس کا ملک چھوڑ کر چلے جاویں اور پھر ان مسلمانوں سے مل کر جن کے مقابلہ پر وہ دشمن اسلام کھڑے ہیں کفار کا مقابلہ کریں اور سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے قربان کر دیں۔ چنانچہ فتح البیان میں لکھا ہے فَيُرَادُ بِالْاَرْضِ كُلُّ بُقْعَةٍ مِّنْ بُقَاعِ الْاَرْضِ تَصْلَحُ لِلْهِجْرَةِ اِلَيْهَا وَيُرَادُ بِالْاَرْضِ الْاُوْلٰى كُلُّ اَرْضٍ يَنْبَغِي الْهِجْرَةُ مِنْهَا۔ (تفسیر فتح البیان تفسیر سورۃ النساء زیر آیت اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ جلد ۲ مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ) یعنی " ہجرت کی زمین سے صرف مدینہ مراد نہ لیا جاوے گا ہر ایک زمین جو ہجرت کرنے کے قابل ہو وہ مراد لی جاوے گی اور اسی طرح وہ زمین جہاں سے ہجرت کرنی ہے اس سے مراد بھی صرف مکہ نہیں لیا جاوے گا بلکہ ہر ایک وہ زمین مراد لی جائے گی جہاں سے ہجرت کرنا مناسب ہو۔"

غرض یہ حکم ہر زمانہ کے لئے ہے اور اگر انگریز واقع میں دینِ اسلام کے مٹانے کے لئے جنگ

کر رہے ہیں اور اب تک برسرِ جنگ ہیں تو بھی ان سے ترک موالات کا حکم نہیں۔ پہلا حکم ان کے مقبوضہ ملک سے نکل جانے کا ہے اور پھر ترک موالات کا حکم ہوگا اور کسی کا حق نہیں کہ اس آسان حکم کو تو لے لے اور شریعت کے اصل حکم کو چھوڑ دے لیکن جیسا کہ مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ سب بات ہی غلط ہے اور اس پر بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَى الْفَاسِدِ کی مثل صادق آتی ہے۔ نہ انگریز مسلمانوں سے دین اسلام سے جبراً توبہ کرانے اور اسلام کو مٹانے کے لئے لڑ رہے ہیں اور نہ یہ حربی کافر ہیں کہ ان کے مقبوضہ ملک سے ہجرت کی جائے اور جب ہجرت کا حکم نہیں تو ترک موالات کا بھی حکم نہیں کیونکہ ترک موالات ہجرت کے بعد ہوتا ہے نہ ہجرت سے پہلے۔

اگر انگریز واقعی حربی کافر ہیں تو صرف ہجرت بھی کافی نہیں بلکہ اس کے بعد دوسرا قدم جہاد ہے

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر انگریز واقعی حربی کافر ہیں جو اسلام کے مٹانے کے لئے مسلمانوں پر حملہ کر رہے ہیں اور ان سے جنگ کر رہے ہیں اور ان کو گھروں سے نکال رہے ہیں۔ جو شرطیں کہ ترک موالات کے لئے ضروری ہیں تو صرف ہجرت بھی کافی نہ ہوگی بلکہ ہجرت پہلا قدم ہوگا۔ ہجرت کے بعد دوسرا قدم جہاد ہوگا۔ کیونکہ جو قومیں اسلام کے مٹانے کے لئے لڑتی ہیں ان سے جنگ کرنا اور ان کے حملہ کا جواب دینا سب مسلمانوں پر فرض ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبۃ: ۲۴) "اے لوگو اگر تمہارے باپ دادے اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتہ دار اور دوست اور مال جو تم نے کمائے اور تجارتیں کہ جن کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور گھر جو تم کو پسند آتے ہیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجاوے اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔" پس اگر انگریز واقع میں اسلام کو مٹانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں تو اوّل ان کے مقبوضہ ملک سے ہجرت اور پھر ان سے جنگ کرنی ہر مسلمان پر واجب ہوجاتی ہے کیونکہ جو قوم مذہب کے لئے تلوار اُٹھاتی ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں ہوتی کہ اسے دُنیا میں حکومت کرنے کا موقع دیا جاوے۔

اس سوال کا جواب کہ جہاد صرف تلوار کا ہی نہیں ہوتا

شائد بعض لوگ یہ کہہ دیں کہ جہاد سے مراد تلوار ہی کا جہاد نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاوہ اور بھی جہاد ہیں لیکن یاد رہے کہ گو جہاد صرف تلوار کے جہاد کو ہی نہیں کہتے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کی اصلاح کو بھی جہاد قرار دیا ہے اور اسے تلوار کے جہاد سے بڑا قرار دیا ہے۔ مگر جس قسم کا جہاد اسلام کے خلاف ہو رہا ہو اس کے مقابلہ میں اسی قسم کے جہاد کا حکم ہوتا ہے یہ نہیں کہ لوگ تلوار لے کر مسلمانوں سے جبراً توبہ کرواتے پھریں اور کوئی شخص یہی توجیہہ کر کے کہہ دے کہ میں نفس کا جہاد جو بڑا ہے کر رہا ہوں اور ان لوگوں کا ہاتھ نہ پکڑے۔ کیا کوئی عقلمند اس بات کو جائز قرار دے گا ؟ کہ اس قسم کی توجیہات سے کہ مال کا جہاد ہوتا ہے اور علم کا بھی جہاد ہوتا ہے اور نفس کا بھی جہاد ہوتا ہے اور وقت کا بھی جہاد ہوتا ہے۔ لوگ اپنا پیچھا چھڑا لیں اور اسلام کو دشمن پامال کرتا پھرے اگر دشمن تلوار کے ساتھ اسلام کو مٹانا چاہتا ہے تو جب تک تلوار ہی کے ساتھ جہاد نہ کیا جاوے کوئی دوسرا جہاد قبول نہیں ہو سکتا۔

اس سوال کا جواب کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے ہر فرد پر فرض نہیں

یہ بھی شبہ نہیں پیش کیا جا سکتا کہ جہاد ایک فرضِ کفایہ ہے اگر مسلمانوں کا ایک حصہ جہاد کر رہا ہو تو دوسرا حصہ اگر جہاد میں شامل نہ ہو لیکن ان کی ہمدردی دل میں رکھے یا دوسرے ذرائع سے ان کی مدد کرے تو اس کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ گو جہاد فرضِ کفایہ ہے لیکن اسی وقت تک کہ تلوار سے جہاد کرنے والے باقی مسلمانوں کی طرف سے جہاد میں کفایت کر رہے ہوں اسلام کا فاتح لشکر جو اسلام کے خلاف مذہبی جنگ کرنے والوں کو ہر میدان میں شکست دے رہا ہو بلاشبہ باقی مسلمانوں کو تلوار کے جہاد میں حصہ لینے سے آزاد کر دیتا ہے لیکن اگر اسلامی لشکر شکست کھاتا ہو اگر ایک کے بعد دوسرا علاقہ اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہو، اگر اسلام کا مٹانے والا دشمن اسلام کو اور اس کے ماننے والوں کو مٹاتا چلا جا رہا ہو تو پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جہاد کرنے والے سب مسلمانوں کی طرف سے ان کے فرض کو پورا کر رہے ہیں۔ ایک شب خون جو کسی سرحد پر پڑتا ہے اس کے بچانے کے لئے تو بے شک وہاں کی چوکی کافی ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو وہاں جمع ہونے کی حاجت نہیں لیکن اگر دشمن آگے ہی آگے بڑھتا چلا آوے تو پھر لوگ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ صرف ساتھ ملنے والے علاقوں پر جہاد ہوتا ہے۔ کیا وہ اس وقت کا انتظار کریں گے کہ ایک ایک کر کے سب شہر ہاتھ سے نکل جاویں یا آگے بڑھ کر اس رَو کو روکیں گے ؟

اس سوال کا جواب کہ ہم جنگ کرنا نہیں جانتے

اسی طرح اگر انگریز واقع میں اسلام کے مٹانے کے لئے ایک مذہبی جنگ کے مرتکب ہیں تو کوئی شخص یہ کہہ کر کہ میں لڑائی نہیں جانتا اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا قرآن کریم نے اس قسم کے حیلہ سازوں کو منافق کہا ہے اور اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ کون سا کام ہے جو انسان کا پیدائش سے پہلے ہی سیکھا ہوا ہوتا ہے؟ ہر ایک کام سیکھ کر آتا ہے۔ حکومت برطانیہ نے چند سال میں ۱۲ لاکھ فوج سکھائی یا نہیں؟ پس یہ کہنا کہ ہم لوگ جنگ نہیں جانتے ایک منافقانہ عذر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ منافقوں کی نسبت فرماتا ہے۔ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ (آل عمران : ۱۶۸) منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے راستہ میں لڑو یا یوں کہو کہ دشمن کا حملہ دُور کرو۔ تو جواب دیتے ہیں کہ اگر ہمیں لڑائی کا فن آتا تو ہم ضرور تمہارے ہمراہ چلتے۔ یہ لوگ اس دن جب انہوں نے یہ بات کہی ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے یہ لوگ وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے اسے جو یہ چھپاتے ہیں۔

پس اگر واقع میں کوئی مذہبی جنگ شروع ہے اور اسلام کو تلوار کے ذریعہ سے مٹایا جا رہا ہے جو ترک موالات کے لئے شرط ہے۔ تو اس سے پہلے ہجرت کرنا اور پھر جہاد کرنا بھی فرض ہے اور اگر یہ دونوں باتیں فرض نہیں تو یقیناً ترک موالات بھی فرض نہیں کیونکہ ترک موالات اسی قوم سے ہوتی ہے جس سے مذہب کی خاطر جنگ ہو رہی ہو۔

کیا انگریزوں کو جبراً اسلام کے مٹانے والے قرار دینا اور ہجرت و جہاد کے بغیر ترک موالات کا فتویٰ دینا اسلام پر تمسخر نہیں؟

میں ہر ایک اس شخص سے جو قرآن کریم اور شریعت اسلام کا ادب دل میں رکھتا ہے دریافت کرتا ہوں کہ وہ اپنے سچے دل سے یہ بتائے کہ کیا واقع میں انگریز اسلام کو جبراً مٹا رہے ہیں اور پکڑ پکڑ کر لوگوں کو مسیحی بنا رہے ہیں؟ اور اس لئے مسلمانوں سے لڑ رہے ہیں کہ کیوں وہ کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور اور قرآن کو مانتے ہیں؟ اگر یہ بات نہیں تو وہ بیدار ہو جاوے کہ اس وقت کس طرح شریعت اسلام سے تمسخر کیا جا رہا ہے اور اس کی محبت کا دعویٰ کر کے اس کی ہنسی اُڑائی جا رہی ہے اور اس سے دشمنی کی جاتی

ہے اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ باتیں منسوب کی جارہی ہیں جو انہوں نے نہیں کیں اور اگر فی الواقع انگریز مذہبی جنگ ہی کر رہے ہیں تو پھر شریعت نے ان لوگوں کو کب اختیار دیا ہے کہ یہ شریعت کے احکام کو منسوخ کر کے جو چاہیں حکم دے دیں؟ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسلمان صرف کفار کے پاس غلہ نہ بیچ کر یا ان سے بات چیت ترک کر کے ان احکام سے آزاد ہو سکتے تھے؟ جن سے اس وقت بعض لوگ ترک موالات کر کے مسلمانوں کو آزاد کروانا چاہتے ہیں؟

مولوی محمود الحسن صاحب کا یہ فتویٰ دینا کہ میں اس وقت تلوار چلانے کا فتویٰ نہیں دیتا اور ترک موالات کے دوسرے حامیوں کا ان کی رائے سے اتفاق کرنا اور کم سے کم عملاً سب علماء کا تصدیق کرنا دو باتوں میں سے ایک کی طرف ضرور اشارہ کرتا ہے یا تو یہ کہ ترک موالات کا یہ وقت نہیں ہے اور شریعت کے احکام کے ماتحت اس وقت اس کی اجازت نہیں ہے لیکن چونکہ مسلمانوں کے جوش اس وقت تک نہیں بھڑک سکتے جب تک کسی بات کو مذہبی رنگ نہ دیا جاوے اس لئے ترک موالات کو مذہبی جامہ پہنا دیا گیا ہے یا یہ کہ دل سے یہ علماء سمجھتے ہیں کہ ہجرت اور جہاد دونوں اس وقت فرض ہیں لیکن یا تو حکومت سے ڈر کر اس کا نام نہیں لیتے اور ترک موالات جس کی تلقین کرنا قانونی زد سے بچائے رکھتا ہے اس پر زور دیتے ہیں اور یا یہ کہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے ہجرت اور جہاد کا فتویٰ دیا تو ہمیں بھی اپنا آرام ترک کرنا پڑے گا اور اگر ہم نے اپنے فتویٰ پر عمل نہ کیا تو لوگ ہم پر اعتراض کریں گے کہ لوگوں کو کہتے ہو خود کیوں عمل نہیں کرتے؟ اور اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ترک موالات جو تیسرا قدم ہے اس پر تو زور دیا جاتا ہے اور بیچ کے دو قدموں کا ذکر تک نہیں کیا جاتا؟ کیا اب وہ آیات قرآنیہ جن میں یہ شرائط بتائی گئی ہیں منسوخ کر دی گئی ہیں یا لوگوں میں خوف خدا ہی نہیں رہا؟ کہ جس طرح چاہتے ہیں قرآن کریم کے احکام کو بگاڑ کر پیش کر دیتے ہیں۔ کاش! عقلمند انسان آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ اس طریق کا کس قدر نقصان ہو رہا ہے؟

موجودہ حالت کے متعلق ترکِ موالات کے حامیوں کے ضمیر کا فتویٰ

کھیری کے ڈپٹی کمشنر کا قتل ایک بیّن

ثبوت ہے اس امر کا کہ جب حکومت سے ترک موالات کی تعلیم دی جاوے تو لازماً انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایسی حکومت کے باقی رکھنے کی کیا حاجت ہے؟ اس خیال کی اشاعت یقیناً فساد

پھیلانے والی اور امن کو دُور کرنے والی ہوگی۔

اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کا جہاد کی فرضیت سے انکار صاف بتا رہا ہے کہ عدم تعاون کے بانی ہرگز انگریزوں کی نسبت یقین نہیں کرتے کہ یہ مذہبی جنگ کر رہے ہیں اور اگر مذہبی جنگ نہ ہو تو ترک موالات کا حکم قرآن کریم سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ پس دونوں باتوں میں سے ایک بات کا فیصلہ ہونا چاہئے یا تو انگریزوں کی نسبت فیصلہ کیا جائے کہ وہ دینِ اسلام کو مٹانے کے لئے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے ہیں اور جبر سے اشاعتِ اسلام کو روکتے ہیں اور یا پھر ان کو معاہدین کے زمرہ میں شامل رکھا جاوے۔ مذہبی پہلو سے اور کوئی تیسری صورت جائز نہیں۔ اگر پہلی صورت فرض کی جائے تو پھر اوّل ہجرت اور بعد میں جہاد اور ترک موالات کرنا شریعت کا حکم ہے۔ جسے نہ کوئی مولوی منسوخ کر سکتا ہے نہ کوئی کمیٹی منسوخ کر سکتی ہے کیونکہ خدا ان حالات سے ناواقف نہ تھا جو اب ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر اس وقت ان تمام احکام پر عمل کرنا ضروری نہیں جن پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ضروری تھا تو پھر قرآن ایک وقتی ہدایت نامہ ہے یا خدا تعالیٰ کا علم ناقص ہے لیکن اگر قرآن ہمیشہ کے لئے ہے اور اگر خدا تعالیٰ کا علم کامل ہے تو قرآن کریم کی صریح تعلیم کے بعد کوئی شخص یا کوئی کمیٹی یا کوئی علماء کی جماعت نیا فتویٰ نہیں دے سکتی۔ اور اگر دوسری صورت میں یعنی انگریز مذہب اسلام کو مٹانے کے لئے اور جبراً اسلام سے پھرانے کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تب شریعتِ اسلام کے احکام کے مطابق ان سے ترک موالات کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ (الممتحنہ: ۹)

"اللہ تعالیٰ تم کو ہرگز منع نہیں کرتا ان لوگوں کے متعلق جو تم سے برسرِ جنگ نہیں ہیں اور جنہوں نے تم کو گھروں سے نہیں نکالا کہ ان سے نیکی کرو اور ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کرو۔ اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

مذہبی جنگ کرنیوالا وہی کافر محارب ہے جو جنگ میں پہل کرے

اس معاملہ پر غور کرتے وقت یہ بات بھی مدّنظر رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم نے مذہبی جنگ کی یہ بھی شرط بتائی ہے کہ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (التوبۃ: ۱۳) "انہوں نے تم سے پہلے جنگ شروع کی ہو۔" لیکن کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ ترکوں سے جنگ پہلے انگریزوں نے شروع کی تھی۔ جب جنگ کی ابتداء ترکوں کی طرف سے ہوئی ہے

تو پھر انگریزوں پر اعتراض کیا ہے؟ اگر یہ مذہبی جنگ بھی سمجھ لی جاوے تو اس کی ابتداء ترکوں کی طرف سے ہوئی ہے نہ کہ انگریزوں کی طرف سے۔ متواتر کئی سال سے انگریز اور دوسرے اتحادی اس بات کو پیش کر رہے ہیں کہ ترکوں نے ہم سے جنگ میں ابتداء کی ہے مگر آج تک اس کا جواب ترک نہیں دے سکتے۔ اگر کوئی معقول جواب وہ دے دیتے تو گو دوسرے لوگ اس کو تسلیم نہ کرتے۔ مگر کم سے کم ان سے ہمدردی رکھنے والے لوگوں کے دلوں کو تو تسلی ہوتی اور وہ سمجھتے کہ ترک اس لڑائی میں معذور تھے۔ اگر بعض خفیہ حالات ایسے موجود بھی تھے جن کا اظہار اب تک نہیں کیا جا سکتا جن کی وجہ سے جنگ ضروری ہو گئی تھی تو بھی اسلام کے احکام کے مطابق ترکوں کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے تھا جب تک اتحادی حملہ کرتے اور اپنے پُرانے معاہدات کو ایک عرصہ پہلے خدا کے حکم کے مطابق منسوخ شدہ قرار دینا چاہئے تھا اور ان کے منسوخ ہونے کی وجوہات بیان کرنی چاہئے تھیں تاکہ دوسروں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ انہوں نے خلاف عہد کام کیا۔ لیکن جب ترکوں نے جنگ شروع کر دی تو کیا یہ اُمید کی جاتی ہے کہ برطانیہ خاموش رہتا؟ اور اپنی سپاہ کو ہلاک ہونے دیتا اور جواب نہ دیتا؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ برطانیہ اور اتحادی خواہ کسی سبب سے سہی اس امر کو چاہتے تھے کہ ترک یا ان کے ساتھ مل جائیں یا جنگ میں شریک ہی نہ ہوں تاکہ مسلمانوں کی ہمدردی ان کو حاصل رہے۔ لیکن جب ان کی خواہشات کے خلاف ترک شامل ہوئے اور انہوں نے جنگ کی ابتداء کی تو پھر یہ جنگ مذہبی جنگ کس طرح قرار پا سکتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ترک بلا وجہ جنگ میں شامل ہو گئے نہ میں یہ کہتا ہوں کہ انہوں نے غلطی کی۔ ممکن ہے کہ ان کو اس جنگ میں شامل ہونے میں بعض فوائد نظر آتے ہوں اور نہ شامل ہونے میں نقصان معلوم ہوتا ہو۔ لیکن بہرحال جب انہوں نے ابتداء کی تو وہ جنگ مذہبی نہ رہی دنیاوی ہو گئی اور دنیوی فتوحات اور دنیوی فوائد کی جنگوں میں انسان موقع اور محل کو دیکھ کر ابتداء بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ اس کا جنگ کرنا انصاف پر مبنی تھا۔

بعض چیزوں کا بائیکاٹ کرنا اور بعض کا نہ کرنا بھی بتاتا ہے کہ وہ اسے شرعی مسئلہ نہیں سمجھتے

ترک موالات کے حامیوں کا یہ فعل بھی کہ وہ بعض چیزوں کا بائیکاٹ کرتے ہیں اور بعض کا نہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسے شرعی مسئلہ نہیں سمجھتے۔ اوّل تو اگر یہ شرعی مسئلہ ہوتا تو اس سے پہلے ہجرت اور پھر جنگ ہونی چاہئے تھی۔ لیکن اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے بھی بغیر اس کے مقبوضہ ملک سے ہجرت کرنے کے اور بغیر اس سے جہاد شروع ہونے

کے ترک موالات کیا جاسکتا ہے بلکہ بعض وقت ایسا کرنا فرض ہوتا ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ اس شرعی فرض میں اپنی طرف سے تغیّر کیوں کر لیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ تو ان لوگوں کی نسبت جن سے ترکِ موالات کا حکم دیتا ہے کلّی ترکِ موالات کا فتویٰ دیتا ہے۔ پھر یہ کس کا اختیار ہے کہ اس حکم کو نرم یا سخت کر دے؟ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنا تو ایک خطرناک جرم ہے۔ پس اگر ترکِ موالات ایک شرعی حکم ہے تو پھر اس کے مدارج مقرر کرنے کا کسی کو کیا اختیار رہ ہے؟ اور عام کالجوں کے طالب علموں کو تعلیم جاری رکھنے سے منع کرنا اور طبّی کالجوں کے طلباء کو پڑھائی جاری رکھنے کی اجازت دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ پھر انگریزوں سے تجارت کرنا کس طرح جائز ہے؟ کیا ترک موالات والی آیت میں "تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا" (التوبۃ: ۲۴) کا ذکر خاص طور پر نہیں کیا گیا؟ پھر اگر واقع میں یہ حکم شرعی ہے تو کیوں تجارت کو بند نہیں کیا جاتا؟ کیوں طبّی کالجوں کے طلباء کو بھی پڑھائی چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جاتا؟ کیوں چوری وغیرہ جرائم کے موقع پر پولیس کی مدد لی جاتی ہے؟ یا کم سے کم کیوں اعلان نہیں کیا جاتا کہ اگر کسی کے چوری ہو جاوے تو وہ پولیس میں اطلاع نہ کرے؟ کیوں ریل میں سوار ہوا جاتا ہے؟ کیوں ڈاک سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے؟ کیوں تار کے محکمہ سے نفع حاصل کیا جاتا ہے؟ کیا قرآن کریم کی ان آیات میں جن میں ترک موالات کا فتویٰ دیا گیا ہے کوئی حد بندی کی گئی ہے؟ یا ان آیتوں کے سوا اور کوئی آیات ہیں جنہوں نے ان محکموں سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دے دی ہے؟

اگر یہ ترکِ موالات شرعی ہے تو اسے اپنے آپ کیوں محدود کر لیا گیا ہے اور اگر مسٹر گاندھی کے کہنے پر ہے تو اس کا نام شرعی فرض کیوں رکھا جاتا ہے؟

کیا ترک موالات کے حامیوں کے پاس ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب نہیں کہ مسٹر گاندھی نے چونکہ ایسا کہا ہے اس لئے ہم اس طرح کرتے ہیں؟ مگر مَیں کہتا ہوں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس طرح نہ کرو جس طرح مسٹر گاندھی کہتے ہیں اگر کسی کے خیال میں مسٹر گاندھی کا پروگرام مفید اور قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے تو وہ بے شک اس پر عمل کرے۔ مگر مسٹر گاندھی کے قول کو قرآن کریم کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ شریعت اس کا نام کیوں رکھا جاتا ہے؟ اگر یہ بات ہے تو لوگوں سے یہ کہو کہ چونکہ مسٹر گاندھی اس طرح فرماتے ہیں اس طرح تم کو عمل کرنا چاہئے یہ کیوں کہتے ہو کہ شریعتِ اسلام کا یہ فتویٰ ہے؟ شریعتِ اسلام نے غیر مسلموں سے ترک موالات کرنے کا جن شرائط کے ساتھ حکم دیا ہے وہ شرائط تو جب بھی کسی قوم میں پائی جائیں اس سے ہر قسم کی امداد لینی یا اس کو کسی قسم کی مدد دینی ناجائز ہو جاتی ہے سوائے اس کے کہ تذلل

کی امداد ہو یعنی ایسی مدد ہو جس میں ہم حاکم ہوں اور وہ ماتحت ہوں۔ پس اگر یہ فتویٰ وہی ہے جو خدا تعالیٰ نے دیا ہے اور وہی حالات ہیں جن میں ترک موالات کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ تو پھر پروگرام مقرر نہیں ہو سکتے، کسی قسم کی موالات معاف نہیں ہو سکتی، نفع اور نقصان کو نہیں سوچا جا سکتا۔ لیکن اگر یہ پروگرام شریعتِ اسلام کا نہیں بلکہ مسٹر گاندھی کا ہے۔ تو پھر اس کو شریعت کی طرف منسوب کرنا اور آیاتِ قرآنیہ سے اس کا استدلال کرنا ایک خطرناک گناہ ہے۔ اگر ترک موالات کے حامی اسے شریعت کا فرض مقرر کرتے ہیں تو پھر اس طرح عمل کریں جس طرح کہ شریعت نے کہا ہے اور اگر اسے مسٹر گاندھی کا ارشاد قرار دیتے ہیں تو عوام کو قرآنِ کریم کے نام سے دھوکا نہ دیں اور اسلام کا تمسخر نہ اُڑائیں۔

کیا اب گورنمنٹ برطانیہ بھی ہمارے ساتھ محاربین والا سلوک کرنے کی مجاز ہے؟

پھر اس مسئلہ کے متعلق ایک اور بھی سوال ہے جسے ترک موالات کے حامیوں کو مدِّنظر رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ مَیں پہلے ثابت کر چکا ہوں قرآن کریم سے ان ہی لوگوں سے ترک موالات کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے جو حربی کفار ہوں تو اب جبکہ حکومتِ برطانیہ کے خلاف ترک موالات کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیا حکومتِ برطانیہ بھی وہی معاملہ مسلمانوں سے کر سکتی ہے جو دو باہم لڑنے والی قومیں ایک دوسرے سے کرتی ہیں؟ کیا وہ جس کو چاہیں پکڑ کر قید کر دیں۔ ذرا سی شورش پر کورٹ مارشل بٹھا کر لوگوں کو قتل کر دیں؟ مارشل لاء جاری کر دیں تو مسلمان اس کو خوشی سے قبول کریں گے؟ کیا وہ اس وقت بھی اعتراض نہیں کریں گے کہ ہم تو وفادار رعایا ہیں ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ پھر جب انگریزوں کے ساتھ حاکم اور رعایا کے تعلقات قائم ہیں تو ترک موالات کا فتویٰ کس طرح دیا جا سکتا ہے۔ ترک موالات کا حکم تو اسی وقت ہوتا ہے جب جنگ شروع ہو۔ اور اگر ترک موالات کرنے کی شرائط اس وقت پوری ہو گئی ہیں تو حکومتِ برطانیہ کے لئے بھی جائز ہو گا کہ جس طرح چاہے مسلمانوں سے معاملہ کرے۔ اور اس پر ظلم کا الزام نہیں لگ سکے گا کیونکہ محاربین کے درمیان بہت سی وہ باتیں جائز ہوتی ہیں جو دوسری صورت میں جائز نہیں ہوتیں۔ مگر کوئی شخص اس بات کو قبول نہ کرے گا کہ حکومت برطانیہ کے لئے جائز ہے کہ وہ حربی قوموں والا سلوک ہندوستان کے مسلمانوں سے کرے اسی طرح کوئی عقلمند یہ بھی تسلیم نہ کرے گا کہ شریعت نے جو حکم محارب کفار کے متعلق دیا ہے اسے برطانیہ کی حکومت پر چسپاں کیا جائے۔

ترک موالات کا حکم صرف خلیفۂ وقت ہی دے سکتا ہے

ترک موالات کے حامیوں کو اس امر پر

بھی غور کرنا چاہئے کہ ترک موالات کا حکم دینے کا مجاز صرف خلیفہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے احکام کی طرف بلانا اور ان کا نافذ کرنا اس کا کام ہے۔ ترک موالات چونکہ ان تعلقات میں سے ہے جو افراد کے درمیان نہیں بلکہ قوموں یا حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں اس لئے اس کے متعلق فیصلہ خلیفہ ہی کر سکتا ہے لیکن جبکہ وہ سلطان المعظم کی خلافت کے متعلق اس قدر زور دے رہے ہیں کیا کبھی انہوں نے اس امر پر بھی غور کیا ہے کہ خود سلطان المعظم نے کبھی ترک موالات کے لئے مسلمانوں کو دعوت نہیں دی بلکہ وہ خود اتحادیوں سے صلح کرنے پر تیار ہو گئے بلکہ انہوں نے صُلح کر لی۔ اس صورت میں دوسرے مسلمانوں کو خصوصاً ان کو جو سلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ وہ ان کے منشاء بلکہ ان کے عمل کے خلاف کام کریں۔

اس سوال کا جواب کہ سلطان ترکی بوجہ اتحادیوں کے نرغہ میں آجانے کے معذور ہیں

بے شک بعض لوگ کہہ دیں گے کہ سلطان المعظم کو اتحادیوں نے اپنے نرغہ میں لے لیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کیا سلطان المعظم اس سے زیادہ نرغہ میں ہیں جس قدر کہ ہندوستان کے مسلمان ہیں؟ ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس نہ تو فوج ہے نہ اسلحہ، نہ مال، نہ طاقت۔ اگر یہ ترک موالات کر سکتے ہیں تو کیا سلطان المعظم جو اس حالت سے بہرحال اچھی حالت میں ہیں ترک موالات نہیں کر سکتے؟ اگر وہ ترک موالات نہیں کرتے نہ ترک موالات کی مسلمانانِ عالم کو دعوت دیتے ہیں تو کیا ان کے عمل اور ان کے منشاء کے خلاف کام کرنے والے ان کے سچے عقیدت مند کہلا سکتے ہیں؟ کیا مدعی سُست اور گواہ چُست والی مثال ان مسلمانوں پر صادق نہیں آتی جو اس وقت ترک موالات پر زور دے رہے ہیں؟ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر فی الواقع سلطان المعظم کو نرغہ میں لے لیا گیا ہے اور وہ بالکل بے بس ہیں تو کیا مسلمانانِ ہندوستان اس امر کو درست سمجھتے ہیں کہ خلیفہ وقت کسی وقت بھی دشمن کی طاقت کو دیکھ کر ان احکام کے نفاذ کو ترک کر دے جو اس کے سُپرد کر دیئے گئے تھے؟ پس ان کا یہ رویہ ثابت کرتا ہے کہ یا تو وہ سلطان المعظم پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ شریعت کے احکام کی پیروی نہیں کرتے اور یا یہ کہ وہ خود شریعت کے خلاف عمل کرتے ہیں اور ان کا سلطان المعظم سے تعلق کا دعویٰ بالکل غلط ہے اور صرف سیاسی اغراض پر مبنی ہے اور حق بھی یہی ہے کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آج سلطان المعظم کے طریق عمل کی بجائے مسٹر گاندھی کے طریق عمل کی پیروی نہ کی جاتی اور ان کو امام گاندھی کا لقب دے کر شریعتِ اسلام کی علی الاعلان ہتک نہ کی جاتی۔

فتنہ ہلاکو خاں کے وقت علماء اسلام کا رویہ اور اس سے سبق

ترک موالات کے حامیوں کو ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اس سے پہلے بھی ایک زمانہ اسلام پر ایسا آچکا ہے کہ اس کی مرکزی حکومت کُفر کے ہاتھ سے برباد ہوچکی ہے۔ ترکوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کا واقعہ مسلمانوں سے پوشیدہ نہیں۔ پس بیشتر اس کے کہ کوئی خاص طریق عمل تجویز کیا جاوے ہمارے لئے اس امر کا دیکھنا ضروری ہے کہ اس وقت کے علماء نے کیا طریق اختیار کیا تھا؟ کیا فی الواقع اس وقت کے علماء نے جو اس وقت کے علماء سے اپنے علم اور اپنے تقوٰی میں بہت بڑھ کر تھے یہی طریق اختیار کیا تھا جو آجکل ترک موالات کے حامی کر رہے ہیں۔ اس وقت تو خلافت کی ظاہری شکل بھی باقی نہ رکھی گئی تھی۔ خود خلیفہ کے خاندان کے ہزاروں مرد و عورت قتل کئے گئے تھے اور بغداد کے اردگرد اٹھارہ لاکھ آدمی تہ تیغ کردیئے گئے تھے، عورتوں کو بھاگنے کے لئے راستہ نہ ملتا تھا۔ اس وقت کے علماء نے کیا فتوٰی دیا تھا اور عالمِ اسلام نے اس پر کس طرح عمل کیا تھا؟ وہ زمانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب کا زمانہ تھا اور آج کل کے زمانہ سے اچھا تھا۔ کیونکہ اس وقت کے بعد ترک موالات کے حامیوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی نئی رُوح مسلمانوں میں ایسی نہ آئی کہ جس نے ان کو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کر دیا ہو اور جو آئی ہے اسے انہوں نے قبول نہیں کیا۔ پس اس زمانہ کے علماء کے فتوؤں کو بھی تو دیکھو کہ کیا انہوں نے اسی طریق عمل کو اختیار کیا تھا جو آج کل کے لوگ کر رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کفار کو جزیرہ عرب سے نکال دینے کی بابت

ترک موالات کی تائید میں ایک یہ بات بھی پیش کی جاتی ہے کہ جزیرہ عرب سے کفار کے نکال دینے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا اسلئے جزیرہ عرب کے ممالک پر مسیحیوں کا قبضہ یا اقتدار نہیں ہونا چاہئے اس میں کوئی شک نہیں کہ مسجدِ حرام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرک اس کے قریب نہ آویں لیکن باقی جزیرہ عرب کے متعلق قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں۔ ہاں بعض احادیث سے ضرور یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ اگر آپؐ زندہ رہے تو یہود کو خیبر وغیرہ علاقوں سے خارج کر دیں گے[۱] اور یہ خواہش حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پوری کی گئی۔ مگر ان احادیث کے متعلق دو سوال حل طلب ہیں اوّل یہ کہ کیا یہ ایسی ہی خواہش تھی کہ اس کے پورا کرنے کے لئے مسلمانوں پر جہاد فرض ہوجاتا ہے؟ دوم

[۱] ترمذی - ابواب السیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ماجاء فی اخراج الیهود والنصاری عن جزیرۃ العرب

یہ کہ جزیرہ عرب سے کیا مراد ہے ؟

کیا جزیرہ عرب کو کفار سے خالی رکھنے کیلئے جہاد فرض ہے ؟

سوال اوّل کا جواب تو یہ ہے کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ عمل کو دیکھتے ہیں کہ یہ ایسا امر نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ایک سیاسی سوال تھا ورنہ کیا وجہ تھی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں یہود کو نہیں نکال دیا۔ کیا مذہبی احکام کے پورا کرنے میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دیر کیا کرتے تھے ؟ آپؐ تو الٰہی باتوں کی ایسی غیرت رکھتے تھے کہ ان کے پورا کرنے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہ لگاتے تھے۔

اگر کہا جاوے کہ پہلے آپؐ کو خیال نہیں آیا جس وقت آپؐ کو یہ معلوم ہؤا کہ ان کو عرب میں نہیں رہنے دینا چاہئے اس وقت آپؐ نے اس کا اظہار کر دیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر واقعی یہ کوئی مذہبی فرض ہوتا تو کیا آپؐ اسی وقت ایک لشکر اس غرض کے لئے نہ بھیج دیتے اور اگر بفرضِ محال آپؐ ایسا نہ کرسکے تھے تو کیا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں خود اس خواہش کو پورا نہ کر دیا جاتا؟ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس طاقت نہ تھی۔ مُرتدوں کے فتنہ کے وقت جب لوگوں نے کہا کہ جیشِ اسامہؓ کو جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے لئے تیار کیا ہے روک لیا جاوے تو آپؓ نے فرمایا کہ ابو قحافہ کا بیٹا (یعنی ابوبکرؓ) کیا حیثیت رکھتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کرے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۶ء) ایسا دلیر آدمی کب گوارا کر سکتا تھا کہ ایسا زبردست حکم جس کے پورا کرنے کے لئے جہاد فرض ہو جاتا ہے اور جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حکم تھا پورا نہ کیا جائے۔

پھر اگر مُرتدین کے فتنہ کے وقت آپؓ نے توجہ نہ کی تھی تو ان کے فتنہ کے دُور ہونے کے بعد کیوں آپؓ نے یہود کے نکالنے کی طرف توجہ نہ فرمائی ؟ شام کی سرحد اور ایران کی سرحد پر تو جنگیں ہو رہی تھیں لیکن خود عرب کے اندر ایسا عظیم الشان حکم بے توجہی کی نذر ہو رہا تھا کیا یہ بات کسی صاحبِ بصیرت کی سمجھ میں نہیں آسکتی ہے ؟

پس اصل بات یہی ہے کہ حجاز کے علاقہ کو چھوڑ کر جس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں اور جس کو خدا اور اس کے رسولؐ نے ایک خاص حیثیت دی ہے باقی عرب کی نسبت جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ بطور فرض اور واجب کے نہیں فرمایا بلکہ ایک پسندیدہ بات کے طور پر فرمایا ہے۔ پس جب مسلمانوں میں طاقت ہو اور جب مناسب حالات موجود ہوں ان حالات کے پیدا کرنے کی کوشش

کرنی چاہئے لیکن جب حالات مناسب نہ ہوں یا مسلمان طاقت نہ رکھتے ہوں تو ان امور کے پورا کرنے کے لئے جہاد اور قتال فرض نہیں ہوتا ورنہ حضرت ابوبکرؓ جو پہلے خلیفہ تھے اور اپنے تقویٰ اور غیرت اسلامی میں سب صحابہؓ سے بڑھے ہوئے تھے ان پر سخت الزام آتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے بعد بھی اسلامی حکومت کے سامنے یہود جزیرہ عرب میں رہتے تھے

پھر جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے بعد بھی اسلامی حکومتوں کی آنکھوں کے سامنے حجاز سے باہر مسیحی اور یہودی عرب کے علاقوں میں بستے رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُمّتِ اسلامیہ نے کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے وہ معنی نہیں لئے جو اب لئے جاتے ہیں۔ حجاز سے باہر عرب میں مسیحی قبائل تیسری صدی ہجری تک بستے رہے ہیں اور سینکڑوں سال سے یمن کے شہروں میں یہودیوں کی ایک معقول تعداد بس رہی ہے اور صنعاء کی بیس ہزار کی آبادی میں سے قریباً دو ہزار یہودی ہے اگر عراق عرب کا حصہ ہے تو ترکی حکومت کے زمانہ میں بھی بغداد بجائے ایک اسلامی شہر کہلانے کے یہودی شہر کہلانے کا مستحق تھا۔ کیونکہ وہاں کے سب بڑے بڑے مکان اور بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں یہودیوں ہی کے قبضہ میں تھیں۔

غیر مسلم اقتدار عرب پر

یہ تو عرب کی غیر مسلم آبادی کا حال ہے اب رہا غیر مسلم اقتدار کا سوال۔ سو اس کا جواب بھی سلطان المعظم کے عمل سے ثابت ہے عدن پر انگریزوں کا قبضہ ایک عرصہ سے چلا آتا ہے۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۵ء تک ایک کمیٹی ترکوں اور انگریزوں کی بیٹھی تھی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ شیخ سعید کے پاس دریائے بانا کے ساتھ ساتھ قتبہ نامی قصبہ کے جنوب مشرق کی طرف سے ایک حد صحرائے اعظم کی طرف کھینچی جاوے اور جنوبی علاقہ کو انگریزی اقتدار میں دیا جائے۔ یہ علاقہ تو بلا شبہ عرب کا حصہ ہے مگر خود سلطان المعظم نے یہ علاقہ انگریزوں کے سُپرد کر دیا۔ پس وہ لوگ جو ان کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں وہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ عرب کے کسی حصہ پر کسی غیر مذہبی حکومت کا قبضہ ہونے پر جو جہاد نہ کرے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیا وہ اس طرح خود سلطان المعظم اور ان کی حکومت پر اعتراض نہیں کرتے اور کیا یہ عجیب نہیں کہ جب عدن پر جو یقیناً عرب کا حصہ ہے قبضہ کیا گیا تھا اور جب اس قبضہ کو سلطان المعظم کی حکومت نے تسلیم کر لیا تھا اس وقت تو اس پر اعتراض نہ کیا گیا۔ اور اب عراق پر قبضہ کرنے پر (جس کے عرب کا حصہ ہونے میں شُبہ ہے) اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس وقت ترکی حکومت کمزور تھی یا

مسلمانان ہند کمزور تھے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اب وہ طاقتور ہوگئے ہیں؟ اور کیا جہاد کے لئے طاقت کی بھی کوئی شرط شریعت نے لگائی ہے؟ غربت یا فوجوں کی کمی تو جہاد کے موانع میں شامل ہی نہیں۔

کیا عراق جزیرۃ العرب میں داخل ہے؟

دوسرا سوال کہ جزیرۃ العرب سے کیا مراد ہے۔ اس کی خواہ کوئی تعریف جغرافیہ والے کریں صحابہؓ کے طریق عمل سے ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عراق کو انہوں نے جزیرۃ العرب میں شامل نہیں کیا کیونکہ صحابہؓ کے زمانہ میں جبکہ اصل عرب سے کفار کو نکال دیا گیا تھا عراق سے کفار کو نہیں نکالا گیا۔ بلکہ کوفہ میں اور اس کے گرد و نواح میں کثرت سے مسیحی رہتے تھے بلکہ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ نے نجران کے مسیحیوں کو وہاں سے جلا وطن کر کے شام اور عراق میں آباد کر دیا تھا اور وہاں ان کو جائیدادیں دے دی تھیں۔ اب اگر عراق بھی عرب میں شامل ہوتا۔ تو کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پورا کرنے کے لئے مسیحیوں کو نجران سے تو نکالتے اور اس قدر تعہد کرنے کے بعد پھر ان کو عراق میں (اگر وہ عرب کا حصہ ہے) لاکر آباد کر دیتے جغرافیہ کے لحاظ سے یا طبعی لحاظ سے عرب کی حدود خواہ کوئی ہوں مگر صحابہؓ نے عرب کے جو معنے سمجھے ہیں وہ خود حضرت عمرؓ کے قول اور فعل سے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے پورا کرنے والے ہیں خوب کھل جاتے ہیں۔ طبری سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے یَعلیٰ بن اُمیّہ کو جنہیں انہوں نے اس غرض سے نجران بھیجا تھا کہ وہاں کے مسیحیوں کو جلا وطن کر دیں۔ یہ حکم دیا تھا کہ "ان کو بتا دینا کہ ہم ان کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت جلا وطن کرتے ہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جزیرہ عرب میں دو دین نہ رکھے جاویں۔" ان لوگوں کو جلا وطن کر کے کہاں بھیجا؟ اس کے متعلق فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو یہ خط لکھ کر دیا کہ "اہلِ شام اور اہلِ عراق میں سے جن کے پاس یہ خط پہنچے ان کو چاہئے کہ ان کو زمین برائے کاشت اچھی طرح سے دیں اور جس زمین کو یہ آباد کریں وہ ان کی یمن کی زمین کے بدلہ میں ان ہی کی ہو جاوے گی۔" شائد کہا جائے کہ عراق سے مراد عراق عجم ہو گا۔ لیکن جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے ان لوگوں کو کوفہ کے پاس زمینیں ملی تھیں اور وہاں انہوں نے نجران کی یادگار میں نجرانیہ نام ایک قصبہ بھی آباد کیا تھا اب سوچو کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک عراق اگر عرب میں شامل ہوتا یا صحابہؓ میں سے کسی کے خیال میں بھی یہ بات ہوتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ وہ مسیحیوں کو اس علاقہ میں جائیدادیں دیتے؟

لفظ جزیرہ کے مفہوم پر بحث

عراق کے عرب میں شامل ہونے کی یہ دلیل دی جاتی ہے کہ عرب جزیرہ کہلاتا ہے اور جب تک دجلہ اور فرات تک کے علاقے اس کے اندر شامل نہ کئے جاویں اس کی حیثیت جزیرہ کی نہیں بنتی کیونکہ اس صورت میں اس کے چاروں طرف پانی نہیں رہتا۔

لیکن یہ دلیل درست نہیں کیونکہ عرب لوگ ان ممالک کو بھی جزیرہ کہتے ہیں جن کے زیادہ حصہ کے گرد پانی ہو اور کم حصہ خشکی کے ساتھ ملتا ہو۔ چنانچہ جس نے تاریخ کا ذرا بھی مطالعہ کیا ہو وہ جانتا ہے کہ عرب لوگ سپین کو بھی جزیرہ کہتے تھے اور اس کو جزیرہ اندلس کے نام سے موسوم کرتے تھے حالانکہ ایک جہت سپین کی فرانس سے ملی ہوئی ہے۔ لسان العرب اور تاج العروس کے مصنف اس کے مادہ کے نیچے لکھتے ہیں کہ "وَاَنْدُلُسُ جَزِيْرَةٌ مَعْرُوْفَةٌ" (لسان العرب زیر لفظ "دلس" مطبوعہ بیروت ۱۹۸۸ء تاج العروس زیر لفظ "دلس" مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ھ) یعنی اندلس (سپین) ایک مشہور جزیرہ ہے۔ پس جزیرہ عرب کے لفظ سے یہ استدلال کرنا کہ اس کے ارد گرد پانی کا ہونا ضروری ہے ایک غلطی ہے۔

اس بحث سے ہمارا یہ مدعا نہیں کہ عراق پر ضرور انگریزوں کا قبضہ ہونا چاہئے

میرا اس تمام تحریر سے یہ مطلب نہیں کہ چونکہ عراق عرب میں شامل نہیں یا اس کی شمولیت مشتبہ ہے اور خود حضرت عمرؓ نے اس کو عملاً شامل نہیں کیا اس لئے عراق پر انگریزوں کو قبضہ کر لینا چاہئے یا یہ کہ عرب کے اندرونی علاقہ میں انگریزوں کو شوق سے داخل ہو جانا چاہئے بلکہ میں انکے اس فعل کو سختی سے ناپسند کرتا ہوں اور عراق تو کیا مَیں تو چاہتا ہوں کہ وہ اپنے پُرانے مقبوضہ علاقہ عدن سے بھی واپس آجائیں تو بہت اچھی بات ہے، لیکن مجھے صرف اس پر اعتراض ہے کہ ان باتوں کو مذہب کے عظیم الشان احکام بتا کر دُنیا کے بگڑے ہوئے امن کو اور نہ بگاڑا جاوے اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو نہ توڑا جاوے اور عوام الناس کو جو حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے جوش دلا کر ان کی ہلاکت اور اسلام کی بدنامی کے سامان نہ پیدا کئے جاویں ورنہ مجھے تو اس قدر بھی پسند نہیں جس کی اجازت ترکی حکومت نے دے رکھی ہے اور مَیں تو یہی کہوں گا کہ اگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پھر طاقت دے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ادب اور احترام کے طور پر یمن اور دوسرے عرب علاقوں میں بسنے والے غیر مذاہب کے پیروؤں کو دوسرے ممالک میں خواہ ان کی موجودہ جائیدادوں سے بہت زیادہ قیمتی جائیدادیں لے کر دے دی جاویں مگر محبت اور پیار سے سمجھا کر ان کو عرب کے علاقہ سے بالکل ہی رخصت کر دیا جاوے لیکن مَیں اس کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا کہ جس

بات پر صحابہؓ کے زمانہ سے اس وقت تک کبھی بھی عالم اسلام نے اس قدر زور نہیں دیا اس کو اس وقت ایسا اہم مسئلہ بنا دیا جاوے کہ اس کا لحاظ نہ ہونے پر جہاد اور ترک موالات کی تعلیم دینی شروع کر دی جاوے اور مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت کے گڑھے میں گرایا جائے۔ یقیناً جو جہاد خدا تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت ہو وہ خواہ کیسی ہی کمزوری کی حالت میں ہو بد نتائج نہیں پیدا کر سکتا لیکن جو لڑائی کہ جہاد کے نام سے کی جائے یا جو جدوجہد کہ دین کی آڑ میں کی جائے حالانکہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو یقیناً وہ سخت ناکام ہو کر رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہرگز پسند نہیں فرماتا کہ اس کے بھیجے ہوئے دین کو اس طرح بچوں کا کھیل بنایا جائے۔

ترک موالات از روئے شریعت اس وقت نہ صرف فرض یا واجب نہیں بلکہ جائز ہی نہیں

یہ بتا چکنے کے بعد کہ ترک موالات فرض اور واجب نہیں ہے میں نہایت ہی مختصر طور پر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ موجودہ حالات میں شریعت اس کو جائز بھی نہیں قرار دیتی۔

اس وقت ترک موالات از روئے قرآن کریم موجب فساد کبیر ہے

(۱) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ (الانفال: ۷۳-۷۴) یعنی ضرور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے کہ جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تم پر ان کی کسی قسم کی مدد کرنا فرض نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے متعلق مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد فرض ہوگی سوائے اس صورت کے کہ وہ اس قوم کے خلاف مدد مانگیں جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور وہ لوگ جو کافر ہوئے وہ آپس میں ایک دوسرے

کے دوست ہیں اگر تم ایسا ہی نہ کرو گے جیسا کہ ہم نے پیچھے بتایا ہے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جاوے گا اور بہت فساد ہو گا۔

اس آیت کے مضمون پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ مؤمنوں کو چاہئے کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیا کریں۔
۲۔ جو لوگ مسلمان ہوں لیکن ان علاقوں میں رہتے ہوں جن پر کفار قابض ہیں وہ جب تک ہجرت نہ کریں ان کی مدد کرنی مسلمانوں کے لئے فرض نہیں۔
۳۔ ہاں اگر ان پر دین کے معاملہ میں ظلم ہوتا ہو تو ان کی مدد کرنی فرض ہے۔
۴۔ بشرطیکہ یہ مدد اس قوم کے خلاف نہ ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔
۵۔ کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔
۶۔ اگر تم ان تمام پچھلے احکام کو تسلیم نہ کرو گے تو دُنیا میں فتنہ پڑ جاوے گا اور بہت بڑا فساد کھڑا ہو جائے گا۔

اب ان چھ باتوں کو دیکھو کہ کس طرح یہ اس امر پر روشنی ڈالتی ہیں کہ گو مسلمانوں پر ایک دوسرے کی مدد کرنی واجب ہے لیکن اس قوم کے خلاف جس سے ایک مسلمان جماعت کا معاہدہ ہو دوسرے مسلمانوں کی مدد نہیں کرنی چاہئے حتیٰ کہ اگر دین کا معاملہ بھی ہو تب بھی ان کی مدد نہیں کرنی چاہئے، ورنہ فساد پڑ جاوے گا۔

اس آیت کا فیصلہ انگریزوں سے ہمارے ترک موالات کے متعلق

اب دیکھو کہ انگریزوں کے ساتھ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کا اور کوئی بھی تعلق نہ ہو تو بھی ان کے ساتھ ان کا ایک معاہدہ ہے اور وہ معاہدہ یہ ہے کہ وہ ان کی تمام کاموں میں جو حکومت کے متعلق ہیں مدد کریں گے۔ یہ معاہدہ تحریر میں نہیں ہے لیکن ہر ایک قوم جو کسی حکومت کے ماتحت رہتی ہے وہ اس معاہدہ کی پابند سمجھی جاتی ہے چنانچہ وہ مسلمان علماء جو اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء: ۶۰) کی آیت سے انگریزوں کی فرمانبرداری کا حکم تسلیم نہیں کرتے وہ ان کی اطاعت کی یہی دلیل دیتے ہیں کہ ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے پس جب ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہؤا تو قرآن کریم کی آیت مذکورہ بالا کے احکام کے مطابق ان کے خلاف کسی مسلمان جماعت کی بھی مدد نہیں کی جاسکتی حتیٰ کہ مذہبی اُمور میں بھی ان کے خلاف دوسرے مسلمانوں کی مدد نہیں کی جاسکتی اور صرف ایک ہی طریق ان کی مدد کا ہے کہ اس علاقہ کو چھوڑ کر پہلے اس معاہدہ سے جس کے ہم برطانوی حکومت

کے مقبوضہ ملک میں رہنے کی وجہ سے پابند ہیں آزادی حاصل کی جائے۔ اور اگر ہم ایسا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دُنیا میں فساد پڑ جائے گا۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ کی ضمیر غائب کا مرجع

شائد کسی شخص کو یہ خیال گزرے کہ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ (الانفال: ۷۴) سے یہ مراد نہیں کہ اگر پچھلی آیت کے تمام احکام پر عمل نہ کرو گے تو فتنہ ہوگا بلکہ تَفْعَلُوْهُ کی ضمیر صرف وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ کے مضمون کی طرف جاتی ہے لیکن یاد رہے کہ اوّل تو لفظوں کے لحاظ سے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ اگر تم یوں نہ کرو گے تو فساد ہوگا بلکہ کفار کا حال بیان کیا ہے کہ وہ فلاں کام کرتے ہیں۔

دوسرے مفسرین بھی یہی لکھتے ہیں کہ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ کی ضمیر پچھلی آیت کے سارے مضمون کی طرف جاتی ہے چنانچہ فتح البیان میں ہے اَلضَّمِيْرُ يَرْجِعُ اِلٰى مَا اُمِرُوْا بِهٖ قَبْلَ هٰذَا مِنْ مَوَالَاةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمُنَاصَرَتِهِمْ عَلَى التَّفْصِيْلِ الْمَذْكُوْرِ وَتَرْكِ مَوَالَاةِ الْكٰفِرِيْنَ (تفسیر فتح البیان جلد ۴ صـ۵۹ مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ) یعنی یہ ضمیر ان احکام کی طرف لوٹتی ہے جو اس سے پہلے بیان ہوئے مؤمنوں کی دوستی اور ان کی مدد کے متعلق اسی تفصیل کے مطابق جو آیت میں بیان ہو چکی ہے (یعنی معاہدین کفار کے خلاف مسلمانوں کی مدد نہ کرو) اور کفار سے دوستی ترک کرنے کے متعلق۔

غرض اس آیت سے ثابت ہے کہ جس قوم سے معاہدہ ہو اس کے خلاف مسلمانوں کا بھی مدد کرنا خواہ دینی امور پر ہی جھگڑا کیوں نہ ہو جائز نہیں اور ایسا کرنا موجب فساد ہوگا۔ اب دیکھو کہ انگریزی حکومت سے ترک موالات کا حکم دے کر مسلمانوں نے اس حکم کو توڑا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کا نتیجہ جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے فساد ہؤا ہے یا نہیں؟

اسلام نے حقوق اُولِی الْاَمْرِ کو قائم کیا ہے

(۲) جس شخص نے اسلام کو ذرا تأمل سے بھی مطالعہ کیا ہو وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ اسلام نہایت امن پسند مذہب ہے اس کا نام اسلام ہی بتا رہا ہے کہ وہ صُلح اور آشتی کو لے کر دُنیا میں آیا ہے۔ اس کے تمام احکام میں قیام امن کا اصل روشن نظر آتا ہے۔ اس کے اُصول اور اس کے فروع تمام کے تمام اساس تمدن کے مضبوط کرنے والے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حقیقی طور پر تمدن کی اساس اسلام نے ہی آ کر رکھی ہے۔ اس سے پہلے تمدن کی عمارت بالکل زمین پر رکھی تھی اور ذرا ذرا سے صدمہ سے منہدم ہو جاتی تھی۔ اسی نے تمدن پر تفصیلی نظر ڈالی ہے اور اسی نے

اس کو اقسام میں منقسم کیا ہے اور اسی نے مختلف عمال تمدن کے اعمال کے مدارج قائم کئے ہیں اور ان کے حقوق مقرر کئے ہیں۔ ایسے مذہب کی نسبت ہرگز اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ رعایا اور بادشاہ کے حقوق پر توجہ نہ ڈالے گا۔ اور واقعہ یہی ہے کہ اس نے اس تعلق کو نہایت مضبوط چٹان پر قائم کیا ہے۔ قرآن کریم ولاۃ الامر کے احکام کی اتباع کا پُرزور الفاظ میں حکم دیتا ہے اور اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء: ۶۰) کہہ کر حکومتوں کے حقوق کو قائم کرتا ہے۔

کیا اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے مراد صرف مسلمان حکام ہیں؟

بعض مسلمان غلطی سے اس آیت کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم صرف مسلمان حکام کے حق میں ہے کہ ان کی اطاعت کی جاوے لیکن یہ بات غلط ہے اور قرآن کریم کے اُصول کے خلاف ہے بے شک اس جگہ لفظ "مِنْکُمْ" کا پایا جاتا ہے مگر مِنْکُمْ کے معنے یہ نہیں ہیں کہ جو تمہارے ہم مذہب ہوں بلکہ اس کے یہی معنی ہیں کہ جو تم میں سے بطور حاکم مقرر ہوں۔ مِنْ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کفار کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ[1] اس آیت میں "مِنْکُمْ" کے معنی اگر ہم مذہب کریں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ رسول کفار کے ہم مذہب تھے۔ پس ضروری نہیں کہ مِنْکُمْ کے معنی ہم مذہب کے ہوں۔ یہ اور معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس جگہ اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ حاکم جو تمہارے ملک کے ہوں یعنی یہ نہیں کہ جو حاکم ہو اس کی اطاعت کرو بلکہ ان کی اطاعت کرو جو تمہارا حاکم ہو۔ اور فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ کے یہ معنی نہیں کہ قرآن وحدیث کی رو سے فیصلہ کرلو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر حکام کے ساتھ تنازع ہو جائے تو خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی طرف اس کو لوٹا دو اور وہ حکم یہی ہے کہ انسان حکومت وقت کو اس کی غلطی پر آگاہ کردے اگر وہ نہ مانے تو پھر اللہ تعالیٰ پر معاملہ کو چھوڑ دے وہ خود فیصلہ کرے گا اور ظالم کو اس کے کردار کی سزا دے گا۔

غیر مذہب کے اُولِی الْاَمْرِ کا ثبوت قرآن کریم سے

قرآن کریم میں حضرت یوسفؑ کا واقعہ جس طرح بیان ہوا ہے وہ بھی دلالت کرتا ہے کہ حاکم خواہ کسی مذہب کا ہو اس کی اطاعت ضروری ہے بلکہ اگر اس کے احکام ایسے شرعی احکام کے مخالف بھی پڑ جاویں جن کا بجا لانا حکومت کے ذمہ ہوتا ہے تب بھی اس کی اطاعت کرے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انکے بھائی انکے پاس چھوٹے بھائی کو

[1] الانعام: ۱۳۱

لائے تو وہ ان کو وہاں کے بادشاہ کے قوانین کی رُو سے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے اس لئے خدا نے ان کے لئے خود ایک تدبیر کردی چنانچہ فرماتا ہے کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا کَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاہُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (یوسف: ۷۷) یعنی اسی طرح ہم نے تدبیر کی کیونکہ وہ بادشاہ کے قوانین کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے ہاں مگر اس صورت میں کہ خدا تعالیٰ ایسا ہی چاہتا" فتح البیان میں ہے کہ بادشاہ مصر کا قانون اور تھا اور اس کی شریعت اور تھی۔ پس خدا تعالیٰ نے الہاماً یوسف کے بھائیوں کے مُنہ سے نکلوا دیا کہ جو چور ثابت ہو اسی کو غلام بنا کر رکھ لینا اسی طرح اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ (یوسف: ۵۶) کے نیچے لکھا ہے کہ وَقَدِ اسْتُدِلَّ بِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ عَلٰی اَنَّہٗ یَجُوْزُ تَوَلِّی الْاَعْمَالِ مِنْ جِھَۃِ السُّلْطَانِ الْجَائِرِ بَلِ الْکَافِرِ لِمَنْ وَثِقَ مِنْ نَفْسِہٖ بِالْقِیَامِ بِالْحَقِّ[1] یعنی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ" ظالم بلکہ کافر بادشاہ کی طرف سے عہدوں کا قبول کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جو اپنی جان پر اعتبار رکھتا ہے کہ وہ حق کو قائم رکھ سکے گا" یاد رکھنا چاہئے کہ حق کے قیام سے یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی شریعت کو چلا سکے۔ کیونکہ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی کے معاملہ سے ظاہر ہے۔ کافر کی ملازمت کے لئے یہ شرط نہیں کہ مؤمن اپنا ذاتی خیال چلا سکے۔ پس حق کی حفاظت سے یہی مراد ہے کہ ظلم کی باتوں میں ساتھ شامل نہ ہو جائے۔ پس حضرت یوسفؑ کے معاملہ سے بھی ظاہر ہے کہ خواہ گورنمنٹ کافر ہی کیوں نہ ہو اس کی وفاداری ضروری ہے۔

حکومت کی اطاعت کا حکم احادیث کی رُو سے

جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو دیکھتے ہیں تو وہاں بھی حکومت کی اطاعت کا خاص حکم پاتے ہیں آپؐ فرماتے ہیں۔ عَلَیْکَ السَّمْعَ وَالطَّاعَۃَ فِیْ عُسْرِکَ وَیُسْرِکَ وَمَنْشَطِکَ وَمَکْرَھِکَ وَاَثَرَۃٍ عَلَیْکَ (مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ) "یعنی تم پر واجب ہے حکم ماننا اور اطاعت کرنی تنگی میں اور کشائش میں اور خوشی میں اور ناراضگی میں اور اس وقت بھی جب تمہارے حقوق تلف کئے جاتے ہوں"

اسی طرح روایت کیا جاتا ہے کہ آپؐ سے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ قَامَتْ عَلَیْنَا اُمَرَاءُ یَسْاَلُوْنَا حَقَّھُمْ وَیَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا فَمَا تَاْمُرُنَا فَاَعْرَضَ عَنْہُ ثُمَّ سَاَلَہٗ فَاَعْرَضَ عَنْہُ ثُمَّ سَاَلَہٗ فِی الثَّانِیَۃِ اَوْ فِی الثَّالِثَۃِ فَجَذَبَہُ الْاَشْعَثُ بْنُ قَیْسٍ وَقَالَ اِسْمَعُوْا فَاِنَّمَا عَلَیْھِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَیْکُمْ مَا حُمِّلْتُمْ (مسلم کتاب الامارۃ باب فی

[1] تفسیر فتح البیان جلد ۵ صفحہ ۴۸ مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ

طاعۃ الامر وان منعوا الحقوق) یعنی اے نبی اللہ ! بتائیے تو سہی کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو اپنے حق تو لے لیں اور جو ہمارے حقوق ہیں وہ نہ دیں تو ہم کیا کریں ؟ آپ نے پہلے تو اس کے سوال کا جواب نہ دیا لیکن جب اس نے دوبارہ دریافت کیا تو فرمایا کہ ان کی باتیں سنو اور ان کی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے کئے کی جزاء پائیں گے تم اپنے کئے کی جزاء پاؤ گے"۔ ان احادیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس کا یہ مطلب ہو کہ صرف مسلمان حاکم کی اطاعت کرو اور دوسرے کی نہ کرو۔ کوئی شخص کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ کسی خاص ملک یا خاص بادشاہ کے ماتحت رہے لیکن اگر کوئی شخص خود ایک ملک کو چُنتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ پھر اس ملک کے آئین کی اطاعت کرے اور حکومت کے خلاف مقابلہ کے لئے کھڑا نہ ہو جائے۔

کیا ترک موالات مقابلہ نہیں ؟

شائد بعض لوگ کہہ دیں کہ ترک موالات تو مقابلہ نہیں لیکن ان کو یاد رہے کہ ترک موالات کے حامی اس بات پر خاص طور پر زور دے رہے ہیں کہ یہ ہتھیار گورنمنٹ کو نقصان پہنچانے کے لئے ہے۔ پس ان کے اپنے اقوال کے مطابق یہ حملہ ہے کیونکہ حملہ اسے ہی نہیں کہتے کہ جس میں تلوار اُٹھائی جائے۔ ہر ایک کام جس سے کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچایا جائے وہ حملہ ہے اور ہمیشہ ایسا کام جب ایسے لوگوں کے خلاف استعمال کیا جائے جن کے ساتھ اشتراک ہونا جائز ہے ان ہی لوگوں کے خلاف یہ ذریعہ استعمال کیا جا سکتا ہے جن کے ساتھ جنگ ہو۔ اور اسلام نہ صرف یہ کہ حکومت کے خلاف جنگ کرنے سے روکتا ہے بلکہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کیا جو شخص خواہ کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے کی فکر میں ہو وہ اس کا مطیع کہلا سکتا ہے ؟

قرآن کریم فتنہ و فساد کی راہوں سے روکتا ہے

(۳) اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف : ۵۷) یعنی زمین میں جب امن قائم ہو جائے تو اسے برباد کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اسی طرح فرماتا ہے کہ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ : ۱۹۲) فتنہ قتل سے بھی زیادہ جرم ہے اور زیادہ نقصان رساں ہے۔

انگریزوں کے آنے سے امن حاصل ہوا یا نہیں؟

ترک موالات کے بانی سوچیں کہ کیا انگریزوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے اسی قسم کا امن تھا جیسا کہ آج کل ہے ؟ کیا مذہب کی اسی قسم کی آزادی تھی؟ جانیں

اسی طرح محفوظ تھیں؟ بلکہ کیا قومی روح اسی طرح زندہ تھی جس طرح کہ آج کل زندہ ہے؟ لوگ سوال کرتے ہیں کہ ان کے یہاں آنے کا کیا فائدہ ہوا؟ مَیں کہتا ہوں کہ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ تم آزادی اور حریت کے معنوں سے آشنا ہو گئے ہو جن کو قریباً ایک صدی کی تباہیوں کے عرصہ میں تم بھول گئے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پہلے کوئی اس مضمون سے آگاہ نہ تھا مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ بہت کم لوگ ان الفاظ سے آگاہ تھے۔ اور جو لوگ آگاہ تھے وہ وہی تھے جن کو انگریزوں کے اس ملک پر قابض ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ حکومت میں دخل تھا۔ آج لوگ جلیانوالہ باغ کے واقعہ پر شور مچاتے ہیں حالانکہ ان کے آنے سے پہلے بلاوجہ لوگ مارے جاتے تھے اور کوئی نہ پوچھتا تھا۔ پنجاب میں اذان دینا جرم تھا۔ مسجدیں ویران تھیں بلکہ اصطبل بنائی گئی تھیں۔ عربی کے الفاظ استعمال کرنے پر ہی لوگوں کو مار دیا جاتا تھا۔ چوری، قتل، ڈاکہ، فساد اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ الامان۔ یہی وجہ تھی کہ پرانے لوگ انگریزی حکومت کے زیادہ مداح تھے کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب باتیں دیکھی تھیں اور ان کے اثر ابھی ان کے دلوں پر سے مٹے نہ تھے۔ پس اس امن کے بعد جو ان کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے بلکہ اس اتحاد کے بعد جو ان کے ذریعہ قائم ہوا ہے فساد نہیں پھیلانا چاہئے۔

لوگ یہ بات نہیں دیکھتے کہ ان ہی کے زمانہ میں ہندوستان نے ایک ملک کی حیثیت پکڑی ہے اس سے پہلے یہ کئی ملکوں کا مجموعہ تھا۔ مَیں اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ یہ لوگ اپنے ساتھ اپنی بدیاں بھی لائے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی ان سے ہندوستان کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ جاپان کی مثال کو جانے دو کہ اس کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہاں کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ دوسرے ممالک کو دیکھو کہ وہ ابھی تک ہندوستان سے بھی پیچھے ہیں پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر یہ نہ آتے تو ہم خود یورپ کے علوم کو حاصل کر لیتے۔ جاپان کے سوا کس ایشیائی ملک نے اپنے طور پر جدید علوم کو حاصل کیا ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہے؟ یقیناً جاپان کے بعد ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جو علوم جدیدہ کا حامل کہلا سکتا ہے اگر یہ درست ہوتا کہ ان کے آنے سے ہمیں نقصان پہنچا ہے تو یقیناً وہ علاقے جن میں ان کا دخل بعد میں ہوا ہے تعلیم اور سیاسی قابلیت میں دوسرے ممالک سے بڑھے ہوئے ہوتے۔ بنگال میں حکومتِ برطانیہ دو سو سال کے قریب سے قائم ہے اسی طرح مدراس اور بمبئی میں ان کا دخل پرانا ہے۔ اور یو۔پی میں اس کے بعد اور پنجاب میں تو کل ستر اسی سال سے ان کا تصرف ہوا ہے اگر یہ بات درست ہوتی تو چاہئے تھا کہ سیاسی اور علمی قابلیت میں پنجاب سب سے زیادہ ہوتا۔ پھر یو۔پی اور پھر بنگال اور مدراس

اور بمبئی ۔ لیکن معاملہ بالکل برعکس ہے ان ممالک کے لوگوں کی قابلیت جس پر ان کا دیرینہ قبضہ ہے ان ممالک کے لوگوں کی قابلیت سے جن پر ان کا بعد میں قبضہ ہوا ہے بہت بڑھی ہوئی ہے اور ان میں سیاست کے سمجھنے اور علوم سے عملی صورت میں فائدہ اُٹھانے کی اہلیت بہت زیادہ پیدا ہو گئی ہے حالانکہ اگر ان کا اثر ایک زہر ہے تو اس وقت تک ان کو بالکل جاہل ہو جانا چاہئے تھا۔

انگریزوں کا انتظام نقائص سے پاک نہیں مگر ان کا فائدہ ان کے نقصان پر غلبہ رکھتا ہے

میرا مطلب اس تحریر سے یہ نہیں کہ ان کے انتظام اور ان کی تعلیم میں نقص نہیں ہیں ۔ مَیں اس میں بہت سے نقص دیکھتا ہوں لیکن مَیں کہتا ہوں کہ ہمیں غصہ میں آکر ان کی خوبیوں سے آنکھیں بند نہیں کر لینی چاہئیں اور ان کی آمد سے واقعی جو ہمیں فائدہ ہوا ہے اور ان کے ذریعہ سے جو امن ہمیں حاصل ہوا ہے اس کا انکار نہیں کرنا چاہئے ۔

غرض انگریزوں کے آنے سے ہندوستان کو بہت امن ملا ہے اور گو یہ بھی بہت سی غلطیاں کرتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی ان کا وجود بہت نفع دہ ثابت ہوا ہے اور اگر اسے نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے یہاں ایک منظم حکومت قائم کر لی ہے ۔ اور ہندوستان کے ان سینکڑوں حصوں کو جو پہلے بالکل علیحدہ علیحدہ تھے ایک جگہ جمع کر دیا ہے پس اس امن کو جو انہوں نے قائم کیا ہے اور اس اتحاد کو جو ان کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے ان کی سلطنت کو کمزور کر کے توڑنا نہیں چاہئے کیونکہ علاوہ ہمارے دنیوی نقصان کے اس میں شریعت کے احکام کی بھی خلاف ورزی ہے اور قرآن کریم کی صریح تعلیم کا انکار ہے ۔

کیا ترک موالات موجب فساد نہیں؟

شاید اس جگہ یہ کہا جائے کہ ہم تو فساد نہیں کرتے لیکن یہ بات درست نہیں ترک موالات کا آخری نتیجہ ضرور فساد ہے اور ابھی سے فساد شروع ہے ۔ علی گڑھ اور لاہور کے اسلامیہ کالجوں میں جو کچھ ہوا وہ راز نہیں کہلا سکتا ہر ایک شخص کی زبان پر ان دونوں کالجوں کے واقعات ہیں اور ابھی تو ابتداء ہے یہ فساد روز بروز اور ترقی کرے گا اور اگر اس تحریک کو ترک نہ کر دیا گیا تو مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو بھی خاک میں ملا دے گا ۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ عوام الناس کو کہا جائے کہ گورنمنٹ اب اس حد تک گر گئی ہے کہ اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں اور پھر وہ فساد سے باز رہیں؟ جب لوگوں کو یہ کہا جائے گا تو وہ گورنمنٹ سے وحشیوں والا سلوک کریں گے ۔ ایک ملک اور ایک

جگہ رہ کر اور روزمرہ کے تعلقات کی موجودگی میں سوائے خاص حالات کے ایسی تحریک کبھی امن کے ساتھ نہیں کی جاسکتی؟

محبّت و ہمدردی اور ترک موالات

(۴) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کل مذاہب محبت اور ہمدردی کی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں اور جس قدر محبت کام کر سکتی ہے اور کوئی حربہ کام نہیں کر سکتا۔ اسلام تو محبت اور مروّت کی تعلیم سے پُر ہے پس ایسی تعلیم دینی جو مروت کو قطع کرنے والی اور مواسات کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے والی ہے مذہباً درست نہیں ہو سکتی آخر قرآن کریم کے سکھائے ہوئے اخلاق کس دن کے لئے ہیں؟ ایک ملک میں رہ کر وہاں کی حکومت کی بیخ اُکھاڑ کر پھینکنے کی کوشش اور عداوت اور بُغض کا بیج بونا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَلَاتَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَاالَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حٰمٓ السجدة : ۳۵) "یعنی نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی تو بدی کو نیکی کے ذریعہ دور کر۔ پس اچانک دیکھے گا کہ وہ شخص جس کے اور تیرے درمیان عداوت تھی تیرا گہرا دوست بن گیا ہے"۔ غرض محبت کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے اور کینہ اور غضب مذموم عادات میں سے ہیں مسلمان کو صاحبِ وقار ہونے کا حکم ہے اور محبت کی اسے تعلیم دی گئی ہے جو شخص اس تعلیم پر عمل نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ہدایت کا مستحق نہیں پس ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو حق کی طرف رہنمائی کرنے والے خود ہی فتنہ میں پڑجاویں بے شک کبھی سزا بھی ضروری ہوتی ہے مگر حکام کے مقابلہ میں نرمی کا ہی حکم ہے کیونکہ جو شخص ان کے مقابلہ کی جرأت پیدا کرتا ہے وہ ملک کے امن کو تباہ کرتا ہے اگر ان کی کوئی بات ناپسند ہو اور وہ سمجھانے سے بھی نہ مانیں اور وہ بات نظر انداز کرنے کے قابل نہ ہو تو ایسے وقت میں وہی حکم ہے جو اوپر گزر چکا کہ اس ملک کو چھوڑ کر چلا جاوے۔

قرآن کریم نے صرف دو قسم کی ترک موالات کا حکم دیا ہے جن میں سے کوئی بھی انگریزوں پر عائد نہیں ہوتی

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم نے مخالفین سے صرف دو قسم کی ترک موالات کا حکم دیا ہے۔ ایک وہ ترک موالات ہے جو افراد افراد سے کرتے ہیں اور ایک وہ جو قوم قوم سے کرتی ہے۔ جو ترک موالات کہ افراد کے متعلق ہے اس کا موقع استعمال تب ہوتا ہے جب کوئی شخص دین اسلام سے تضحیک کرے اور بجائے تحقیق حق کے اس پر ہنسی اُڑائے ایسے شخص کے ساتھ مسلمانوں کو اُٹھنا بیٹھنا

اور دوستانہ تعلق رکھنا منع ہیں اور اگر وہ باز نہ آوے تو یہ سمجھا جاوے گا کہ وہ بھی ان ہی کے سے خیالات رکھتا ہے۔

دوسری قسم ترک موالات کی جو قوم قوم سے کرتی ہے اس کا موقع استعمال تب ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم مسلمانوں سے مذہبی جنگ چھیڑے اور جبراً ان سے ان کا مذہب چھڑوائے اس وقت مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس قوم کے لوگوں سے دوستی محبت اور معاملات کے تعلق چھوڑ دیں اور اگر بعض مسلمان خود ایسے کفار کے ملک میں رہتے ہوں تو پھر ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس ملک سے ہجرت کر جاویں اور دوسرے بھائیوں سے مل کر جہاد کریں اور اپنے بھائیوں کی طرح ان کفار سے قطع تعلق کرلیں ورنہ وہ بھی کفار ہی سمجھے جاویں گے۔ اگر اسی حالت میں مرگئے تو جہنم میں جاویں گے یہ اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں فرمایا کہ ایسے موقع پر وہ اسی ملک میں رہ کر ترک موالات کر سکتے ہیں اور شریعت فساد کو ناپسند کرتی ہے اور اپنے دشمن کے ملک میں بھی فساد پھیلانے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

غرض یہ دو حکم ترک موالات کے متعلق ہیں اور دونوں حکم انگریزوں پر چسپاں نہیں ہوتے اور ان حکموں کا ان پر چسپاں کرنا گویا قرآن کریم کے احکام کو مروڑنا ہے جو ایک بہت بڑا گناہ ہے اور اگر کوئی شخص خیال کرتا ہے کہ واقع میں بحیثیت قوم ان کے متعلق ترک موالات کا فتویٰ لگانا اسلام کے مطابق ہے تو پھر اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان کے ملک سے ہجرت کرکے اور ان کے خلاف مسلمانوں سے مل کر جہاد کرے۔

ایک تیسری قسم کی ترک موالات

ان دو قسم کی ترک موالات کے سوا ایک اور قسم بھی ترک موالات کی ہے لیکن وہ حکومت کے خلاف استعمال نہیں کی جاسکتی بلکہ حکومت اس کا حکم دیتی ہے اور وہ ترک موالات وہ ہے جس کا حکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین صحابیوںؓ کے متعلق دیا تھا جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔

واقعہ مخلّفینؓ

ان کا واقعہ مختصر یوں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو آپؐ نے سب مسلمانوں کو حکم دیا کہ سب ساتھ چلیں مسلمان تو سب تیار ہو گئے منافقین پیچھے رہ گئے لیکن بعض غلطیوں کی وجہ سے تین مسلمان بھی ساتھ جانے سے رہ گئے۔ ان میں سے ایک کعب ابن مالکؓ اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس اس وقت سامان تو سب تھا مگر وہ پھلوں اور سایوں کا زمانہ تھا اور میں ان کا بڑا شائق تھا میں نے کہا کہ میں عین وقت پر انتظام کر لوں گا۔ آخر

وقت آگیا آپؐ چلے گئے اور میں رہ گیا مگر پھر بھی میں نے سوچا کہ میں بعد میں جا ملوں گا مگر یہ بھی نہ ہو سکا۔ جب آپؐ واپس تشریف لائے۔ منافقوں نے تو جا کر عذر کر دیئے میں نے جو سچ بات تھی وہ کہہ دی۔ آپؐ نے ان کے لئے تو دُعا کر دی اور میری نسبت فرما دیا کہ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ اس کے بعد لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں کوئی بات بنا کر معافی مانگ لوں۔ مگر مجھے معلوم ہوا کہ دو اور شخصوں کو بھی یہی حکم ملا ہے اور یہ دونوں مجھے معلوم تھا کہ مخلص مسلمان تھے اس لئے میں نے اس بات سے انکار کر دیا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں سے کلام کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا۔ باقی دونوں گھروں میں بیٹھ رہے مگر میں زیادہ بہادر تھا۔ میں نماز مسجد میں جا کر پڑھتا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار جا کر سلام کہہ کے دیکھتا کہ آپؐ کے ہونٹ جواب کے لئے ہلتے ہیں یا نہیں۔ میں نے دیکھا کہ جب میری آنکھیں آپؐ کی طرف ہوتیں تو آپؐ میری طرف نگاہ نہ ڈالتے لیکن جب میری نگاہ دوسری طرف ہوتی تو آپؐ میری طرف دیکھتے۔ ایک دن تنگ آکر اپنے بھائی اور دوست قتادہؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ کیا آپ جانتے نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھتا ہوں؟ انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے پھر کہا اور قسم دی مگر پھر جواب نہ دیا۔ میں نے پھر کہا اور قسم دی مگر پھر بھی جواب نہ دیا۔ آخر مجھے مخاطب کئے بغیر یہ کہا کہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ اس پر میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں وہاں سے افسردگی میں واپس آیا۔ بازار پہنچا تو ایک شخص میرا پتہ پوچھتا ہوا آیا اور ایک خط مجھے دیا جو بادشاہ غسان کی طرف سے تھا اور اس کا مضمون یہ تھا کہ تو کوئی ذلیل آدمی نہ تھا مگر تجھ سے بہت بُرا سلوک ہوا ہے تو ہمارے پاس آجا ہم تجھے بہت عزت دیں گے۔ میں نے خیال کیا کہ یہ بھی ابتلاء ہے اور اس خط کو تنور میں ڈال کر جلا دیا۔ جب چالیس دن گزر گئے تو ایک شخص نے آکر مجھ سے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اپنی بیبیوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے دریافت کیا۔ طلاق دے دوں یا علیحدہ رہوں؟ اس نے کہا نہیں علیحدہ رہو۔ اس پر میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا۔ میرے دوسرے ساتھیوں کو بھی ایسا ہی حکم ملا تھا۔ ان میں سے ہلال ابن امیہؓ نہایت ضعیف ہو رہے تھے ان کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تو کوئی نوکر بھی نہیں۔ کیا آپؐ اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں اس کی خدمت کر دیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا میرا یہ حکم نہیں کہ تو خدمت نہ کرے بلکہ صرف یہ حکم ہے کہ وہ تیرے قریب نہ جایا کرے۔ اس کے بعد پچاس راتیں گزر گئیں تو خدا تعالیٰ کا حکم نازل ہوا اور ہمیں معاف کر دیا گیا۔

(بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالکؓ)

یہ حدیث احترامِ حکومت کے متعلق ہمیں کیا تعلیم دیتی ہے؟

اس حدیث کو دیکھو کس وضاحت سے حکومت کا احترام سکھاتی ہے۔ خاوند کو بھی بیوی پر ایک قسم کی حکومت ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر ناراض تھے چاہتے تو بجائے ان کو کہلا بھیجنے کے کہ تم اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ بیویوں کو کہلا بھیجتے کہ تم اپنے خاوندوں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ مگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ خاوند کو کہلا بھیجا کہ وہ اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو جائیں۔ پھر جب ہلال بن امیہؓ کی بیوی آپؐ سے پوچھنے گئیں کہ کیا میں خدمت بھی نہ کروں؟ تو پھر بھی یہ نہیں فرمایا کہ خدمت کر مگر اس کے قریب نہ جا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ خدمت کر مگر وہ تیرے قریب نہ آوے[1]۔ باوجود اس عورت کے مخاطب ہونے کے حکم کا مخاطب خاوند ہی کو قرار دیا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت پر مرد کے اختیار کا اس قدر لحاظ کیا ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو حکومتوں کے خلاف رعایا کو اُکساتے ہیں اور ماں باپ کے خلاف بچوں کو جوش دلاتے ہیں اور اساس تمدن کو توڑتے اور انتظام برباد کرتے ہیں۔

یہ قسم ترک موالات حکومت کے اختیار میں ہے نہ رعیت کے اختیار میں

یہ ترک موالات حکومت کے اختیار میں ہے رعایا کے اختیار میں نہیں ہے اور بلا ان وجوہ کے جن کو شریعت نے بیان کیا ہے ترک موالات کرنے کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں لَاتَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَقَاطَعُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ[2] "یعنی ایک دوسرے سے بغض نہ کرو۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے سے مخالفت اور عداوت نہ کرو اور ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ کے لئے تعلقات قطع کرے۔" اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ افراد کو ان مواقع کے سوا جن میں شریعت نے ترک موالات کا حکم دیا ہے۔ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنے کا اختیار نہیں۔ پس یہ تیسری قسم ترک موالات کی صرف حکومت کے ہاتھ میں ہے وہ حکومت خواہ سیاسی ہو خواہ مذہبی اور یہ قسم حکومت کے خلاف نہیں استعمال کی جا سکتی۔

---

[1] بخاری کتاب المغازی حدیث کعب بن مالک ؓ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۹۹، ۲۲۵

حکومت کے سوا کسی کو اختیار نہ دینے کی حکمت

حکومت کے سوا دوسرے لوگوں کو اس کا حکم دینے کا اختیار نہ دینے کی یہ حکمت ہے کہ اس طرح تفرقہ اور شقاق بڑھتا ہے اور بجائے محبت میں ترقی ہونے کے عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس افراد کو تو ترک موالات کرنے سے روک دیا گیا ہے اور حکومت کو اختیار دے دیا گیا ہے۔

حکومت کو اختیار دینے کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ صاحب الامر کی نظر وسیع ہوتی ہے اور وہ فیصلہ دیتے وقت جلدی نہیں کرتا بلکہ اس کو اپنے فیصلہ کے وسیع اثرات کا خیال ہوتا ہے پس اس کے ہاتھ میں یہ آلہ محفوظ ہوتا ہے اور نقصان کا خطرہ نہیں ہوتا۔

یہ قسم ترک موالات بھی موجودہ حالات کے مناسب نہیں

یہ قسم ترک موالات کی بھی موجودہ حالات کے مناسب نہیں کیونکہ اس وقت بجائے حکومت کی طرف سے اس کے استعمال کئے جانے کے حکومت کے خلاف اس کو استعمال کیا جاتا ہے جو بالکل خلاف اُصول اور مخالف قرآن و حدیث ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ (بخاری کتاب الجہاد باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ) امام ایک ڈھال ہوتا ہے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر لڑائی کی جاتی ہے۔" ایسے تمام احکام جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں امام کی معرفت ہی ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہر ایک شخص کو ان کے استعمال کرنے کا حق نہیں ہوتا اگر یہ احتیاط نہ کی جائے تو غیر ذمہ دار لوگ اپنے جوش اور غصہ کی حالت میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبیں جیسا کہ آج کل اس حکم کو نظر انداز کرنے کے سبب سے ہو رہا ہے۔

موجودہ ترک موالات محض ہوائے نفس کے ماتحت ہے نہ اسلام کی خاطر

پس اے برادرانِ ملک! ترک موالات کی کوئی صورت بھی اس زمانہ میں جائز نہیں ہے اور اس وقت برطانیہ کے خلاف اس کا وجوب تو الگ رہا شرعی طور سے اس کے جواز کا بھی فتویٰ دینا ظلم اور تعدی ہے اور اگر کوئی شخص اس امر پر جوش اور غضب سے الگ ہو کر سوچے گا تو یقیناً دلائل کے ذریعہ سے بھی اس نتیجہ پر پہنچے گا اور شواہد کے ذریعہ بھی یہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ موجودہ شورش صرف خواہشاتِ نفس کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ ادنیٰ تأمل سے معلوم کر لے گا کہ یہ تمام جوش جو اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اُس وقت بھڑکتا ہے جب مادی اسباب پر حملہ ہوتا ہے۔ روحانیت اور مغزِ اسلام کی حفاظت کے لئے کبھی اس قدر غصہ کا اظہار نہیں

کیا جاتا بلکہ اس تحریک میں حصہ لینے والوں میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو اسلام کے خالص مذہبی احکام سے بالکل لاپروا ہیں اور ان کا اس قدر بھی خیال نہیں کرتے جتنا کہ ایک اپنے دُور کے شناسا کی بات کا۔ حالانکہ اصل چیز تو اسلام ہے ظاہری حکومت یا طاقت تو صرف سہولت کار کے لئے ہے جب اسلام میں حکومت نہ تھی تب اسلام کی شان میں کوئی فرق نہ تھا اور جب حکومت مل گئی تو اسلام کے حُسن میں کوئی زیادتی نہیں ہوگئی۔ اسلام تو اپنی ذات میں حسین ہے اور مؤمن اپنے وجود میں مبارک۔ نہ اسلام ظاہری شان و شوکت کا محتاج ہوتا ہے نہ مؤمن ظاہری قوت و طاقت کا بھُوکا۔ اسلام کا حسن اس کی خوبیاں ہیں اور مؤمن کی قوت اس کا دل۔ پس دُنیا کی حکومت اسلام اور مسلم کے لئے کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔ دُنیا کی نعمتیں تو اس کی غلام ہوتی ہیں جب وہ ان کو حکم دیتا ہے وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں اور اسی وقت تک اس سے دُور رہتی ہیں جب تک صداقت نے اپنا ذاتی جوہر اور مؤمن نے اپنی ذاتی قوت ایمانیہ لوگوں پر ظاہر کرنی ہوتی ہے۔ پس اگر اسلام اور مسلم موجود ہو تو ان چیزوں کی کچھ فکر نہیں ہوسکتی اگر فکر کی بات ہے تو یہ کہ اسلام نہ رہے صداقت مٹ جاوے اور ایمان سلب ہو جاوے۔ وہ نور سامنے سے ہٹ جاوے جو یار کا چہرہ دکھاتا تھا مؤمن دُنیا پر افسوس کرتا ہے وہ دین پر افسوس نہیں کرتا اس لئے ایک کلمہ خیر کا بھونا نقارہ فتح کے بند ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا اور وصال یار کا ایک دروازہ بند ہونا دُنیا کی سب کامیابیوں کے مبدل بہ ناکامی ہونے سے زیادہ موجب گھبراہٹ ہوتا ہے اور اگر ایمان کا مٹنا اور اسلام کا ضعیف ہو جانا انسان پر گراں نہ گزرے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس شخص کے دل میں دُنیا ہی دُنیا کی محبت سما گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا دامن چھُوٹ گیا ہے اور یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے۔ اسلام کی ایک ایک اینٹ ان کی آنکھوں کے سامنے اکھاڑی گئی مگر ان کے دل میں احساس نہ پیدا ہوا۔ مسلمان کہلانے والے لوگوں نے ایک ایک کر کے ارکان اسلام کو خیرباد کہا مگر ان کا دل دردمند نہ ہوا۔ عقائد صحیحہ کو ایک ایک کر کے چھوڑا گیا بلکہ ان کی پھبتیاں اُڑا دی گئیں مگر انہوں نے بجائے تکلیف محسوس کرنے کے ان لطیفہ سنجیوں میں لُطف محسوس کیا۔ غرض کوئی صورت دین کی تخریب کی نہ تھی جو خود مسلمانوں نے نہیں کی اور ہنستے کھیلتے ہوئے نہیں کی خوش چہروں اور مُسکراتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ نہیں کی یہاں تک کہ اسلام ایک مُردہ کی طرح ہوگیا جس میں رُوح باقی نہ تھی یا ایک گرے ہوئے مکان کی طرح ہوگیا جس کے ملبہ کو بھی لوگ اُٹھا کر لے گئے اور حاجت مندوں نے اس کی نیوؤں کی اینٹیں بھی اُکھاڑ کر استعمال کرلیں اور وحشی جانوروں نے اس کی نیوؤں کے اندر بسیرا بنا یا۔ نہیں نہیں وہ ایک مُردار کی طرح ہوگیا جس کو اپنوں نے اپنے گھر سے نکال کر پھینک دیا اور غیروں نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنی ناکوں پر رومال رکھ لیا۔ مگر ایک

مسلمان کا دل بھی اس پر غمگین نہ ہوا اور وہ اسی طرح اپنے عیش وطرب میں مشغول رہے جس طرح کہ پہلے مشغول تھے ان کی تیوروں پر بل نہ پڑا اور ان کی آنکھوں نے افسردگی کی جھلک نہ دکھلائی انہوں نے اپنے کندھے ہلا کر لاپرواہی سے کہہ دیا کہ اسلام اگر ہماری ہوا وہوس کے راستہ میں روک ہے تو اسے تباہ ہونے دو ہمارے عیش میں خلل نہیں آنا چاہئے لیکن جب خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے وہ چیز جو اسلام کے مقابلہ میں ایک پشہ کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی تھی اور جس سے مسلمان کھلونے کی طرح کھیل رہے تھے ان کے ہاتھوں سے چھین لی اور اس کو توڑ کر پھینک دیا تو وہ سب یکساں رونے اور چلانے لگے اور ماتم کرنے لگے اور آہ وفغاں سے انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ کیا یہ بات ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں؟ کیا ابھی انہیں کسی اور ثبوت کی ضرورت ہے؟ جس سے ان کو معلوم ہو کہ وہ خدا کے نہیں بلکہ اپنے نفوس کے بندے ہو رہے ہیں اس وقت اسلام کی محبت کہاں گئی تھی جب ہزاروں مسلمان کہلانے والے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہوئے اسلام کے دشمنوں اور ایمان کی عمارت پر گولہ باری کرنے والوں کے لشکر میں جماعت در جماعت شامل ہو رہے تھے اور اعداء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں کو قوت دے رہے تھے اس وقت ان کی زبانوں کو کیوں جنبش نہ ہوئی اس وقت ان کے ہاتھوں میں کیوں حرکت پیدا نہ ہوئی اور اس وقت کیوں ان کے خونوں نے جوش نہ مارا؟ کیا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قیمت اتنی بھی نہیں جتنی کہ عراق یا شام کی؟ ترکوں پر یورپ نے ظلم کئے تو ان کے دلوں کو صدمہ پہنچا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قہر توڑے گئے تو کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور جس کی محبت کے دعوی میں اس قدر جوش دکھایا جا رہا ہے اس کا یہ قول ان کو یاد نہ رہا کہ ایک نفس کو ہدایت ہو جائے تو وہ جانوروں کے ریوڑوں سے زیادہ بابرکت ہے مگر یہاں تو کسی نفس کو ہدایت دینا تو الگ رہا اس قدر تڑپ بھی نہ پیدا ہوئی کہ جو اپنے تھے انہی کو گمراہ ہونے سے بچایا جائے۔ ایک دو ظاہری علاقوں کے جانے پر اس قدر صدمہ ہوا لیکن لاکھوں روحانی زمینیں ہاتھ سے نکل گئیں اور کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اے کاش! اب بھی آنکھ کھلتی اور اب بھی سمجھتے کہ یہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں بلکہ دنیا کی ہوس ہے۔ آج جن بچوں کو کالجوں سے ہٹایا جا رہا ہے اور ان کی خیر خواہی کا راگ گایا جا رہا ہے اس سے پہلے یہ بچے کیوں بھولے ہوئے تھے۔ کالجوں سے ہٹانے کے لئے تو سب سے پہلے ان محرکان ترک موالات کو وہ یاد آئے اور ان کی محبت ان کو کالجوں کے ہالوں میں کھینچ کر لائی۔ لیکن جب علی الاعلان وہ خدا کے

انکار پر کمر بستہ تھے۔ نماز کو ترک کر رہے تھے، روزوں کو ایک جرمانہ خیال کرتے تھے، حج کو فضول خرچی کا موجب خیال کرتے تھے، اس وقت ان کی محبّت نے کیوں جوش نہ مارا؟ کیوں ان کو سمجھانے اور سیدھا راستہ دکھانے کا خیال پیدا نہ ہوا؟ کیا اسی لئے نہیں کہ اس وقت ان کے مصرف کے نہ تھے اور اب ان کے ارادوں کو ان سے تقویت پہنچ سکتی ہے۔

مَیں جانتا ہوں کہ ترک موالات کے بانیوں کو میری یہ تحریر بُری لگے گی اور ان کے فریب خوردہ ساتھی بھی اس پر غصہ کا اظہار کریں گے مگر ان کی ہمدردی اور ان کی خیر خواہی مجھے مجبور کرتی ہے کہ مَیں سچّی سچّی بات ان کو سُنا دوں۔ حق ایک سخت کڑوی چیز ہے اور بہت دفعہ انسان خود اپنے آپ کو حق سنانے سے بھی ڈر جاتا ہے مگر ہم نے اپنی زندگیاں اسی لئے وقف کی ہوئی ہیں اور خدا کے بندوں کی ہدایت کا بار اپنے سروں پر اُٹھایا ہے اور کسی کی مخالفت یا عداوت کی ہمیں پرواہ نہیں۔ طبیب کبھی بیمار کی سختی کو دیکھ کر علاج کو ترک نہیں کرتا۔ پس ہم بھی اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتے اور اپنے بھائیوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہیں۔

اپنی حالت پر نگاہ ڈالو

اے عزیزو! میں یہ نہیں کہتا کہ تم اس غلطی کو دور کرنے کے لئے جو اتحادیوں سے ہوئی ہے جدوجہد چھوڑ دو۔ مَیں صرف یہ کہتا ہوں کہ اپنی حالت پر نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ تمہارے نفس نے تم کو دھوکہ دیا ہے جسے تم اسلام کی محبّت سمجھ رہے ہو وہ فقط ایک مقابلہ کی روح ہے جو یورپ کی دیکھا دیکھی تمہارے اندر جوش مار رہی ہے۔ اگر اسلام کی محبّت ہوتی تو اس وقت کیوں جوش پیدا نہ ہوتا جب خود اسلام پر حملہ ہو رہا تھا یا اب ہی کیوں اس امر کی طرف توجہ پیدا نہیں ہوتی کہ اسلام سے مسلمانوں کو جو دوری ہے اسے دُور کیا جائے اور خدا تعالیٰ پر ایمان اور اس سے محبت پیدا کی جائے یا اسلامی اخلاق اور اسلامی آداب پیدا کئے جائیں۔ ہاں میں تمہیں فقط یہ کہتا ہوں کہ ہر ایک چیز کی طرف اس کے مناسب توجہ دو۔ اگر دُنیا کی بادشاہت تم کو مل جائے مگر اسلام نہ ہو تو اس حکومت کا کیا فائدہ؟ اس جدوجہد سے زیادہ اس کے لئے جدوجہد کرو جو اصل مقصود ہے اور اس کام کے لئے بھی جو کوشش کرو وہ اسلام کے اُصول کے مطابق ہو نہ کہ اس کے مخالف۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب تک ہندوستان میں ہر ایک امر کو مذہبی رنگ نہ دیدیا جائے لوگوں کو جوش نہیں آتا۔ لیکن کیا کسی اچھی بات کے حاصل کرنے کے لئے ناجائز وسائل کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ یہ یورپ کا مقولہ ہے کہ اچھے مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے ذرائع کا استعمال جائز ہے اسلام کی یہ تعلیم نہیں ہے۔

اس وقت اس مجرّب نسخہ موالات کو استعمال کرو جو ہلاکو خان کے ہاتھ سے عباسی سلطنت کے مٹنے پر استعمال کیا گیا نہ کہ اسکے برعکس ترک موالات کا نسخہ

اے عزیزو! ہوشیار آدمی کسی سبق کو بھلاتا نہیں اور دانا کسی عبرت کی بات کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اس فتنہ کے وقت میں یہ تو سوچو کہ آج سے پونے سات سو سال پہلے اسلامی حکومت کو موجودہ صدمہ سے بہت زیادہ صدمہ پہنچا تھا۔ اب تو کچھ نہ کچھ ڈھانچہ موجود بھی ہے اس وقت تو ہیولیٰ بھی باقی نہ رہا تھا۔ اس وقت کیا ہتھیار تھا جو کام آیا اور کیا گُر تھا جس سے یہ سوال حل ہوا تھا؟ ایک دفعہ کا تجربہ شدہ نسخہ اسی قسم کی بیماری کے دوبارہ ظاہر ہونے پر اس بات کا مستحق ہے کہ سب سے پہلے اسی کا تجربہ کیا جائے۔ غور تو کرو کہ جب ترکوں نے خلافت عباسیہ کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی جب ان کے ٹڈی دَل لشکروں کا مقابلہ کرنے والا مسلمانوں میں کوئی باقی نہ رہا تھا۔ اور جب اسلام کے مقدس مقامات ایک لاوارث کی طرح دشمنوں کے رحم پر تھے اس وقت کیا علاج تھا؟ جو ہمارے آباء نے سوچا تھا اور کیا وہ اس علاج میں کامیاب ہوئے تھے یا ناکام؟ اگر تم کو یاد نہیں کہ انہوں نے کیا تدبیر اختیار کی تھی اور اگر تم اس سبق کو فراموش کر چکے ہو تو سنو! اس وقت انہوں نے موالات کے ہتھیار سے نہ کہ ترک موالات کے ہتھیار سے ان پر حملہ کیا تھا اور آخر کفر کو فنا کر کے اسی کے جسم اور اسی کے پوست اور اسی کے خون سے اسلام کے لئے ایک نیا جسم تیار کر دیا تھا جس میں اسلام کی روح نے دُنیا کو پھر اپنی جادو بیانی کا والا و شیدا بنانا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت کے علماء نے جو اس وقت کے علماء سے کہیں علم و فضل میں بڑھ کر تھے اور جن کے عمل کا نتیجہ ان کی رائے کے صائب ہونے پر تصدیق کی مہر لگا چکا ہے یہ راہ اختیار کی تھی کہ وہ ترکوں کے درباروں اور ان کی مجالس میں گھس گئے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے جسموں پر فتح پانے والوں کے دلوں پر فتح پانے کا مصمّم ارادہ کر لیا تھا۔ آخر اس موالات کا یہ اثر ہؤا کہ اس بادشاہ کا پوتا جس نے بغداد کی اسلامی حکومت کو تباہ کیا تھا اور اٹھارہ لاکھ مسلمانوں کے خون سے اس سرزمین کو رنگ دیا تھا۔ اسلام کی غلامی میں داخل ہوا اور خدائے واحد لاشریک کے عبادت گزاروں میں شامل ہو کر ایک نئی اسلامی حکومت کا بانی ہوا جس کے آثار اب اس موجودہ جنگ میں آکر مٹے ہیں بلکہ اب بھی کچھ نہ کچھ موجود ہی ہیں۔ وجہ کیا ہے کہ اب وہی نسخہ نہیں برتا جاتا بلکہ اس کے بالکل برعکس علاج کیا جاتا ہے اگر اس وقت کے مسلمانوں نے موالات کو اختیار کر کے اسلام کی حفاظت کی تھی تو آج ترک موالات کی کیوں تعلیم دی جاتی ہے کیا کوئی کامیاب

نسخ بھی ترک کیا کرتا ہے؟ کیا اب اسلام میں ہی ایسا جذب نہیں رہا کہ وہ فاتحین کے دلوں کو مسخر کرکے اور ان کو اپنی غلامی کے حلقہ میں لا سکے یا تم میں ہی وہ نُورِ ایمان نہیں رہا جو تمہارے آباء میں تھا؟ ان کی باتوں کا دلوں پر اثر ہوتا تھا لیکن تمہاری باتیں بالکل بے اثر ہیں۔ کیا سبب ہے کہ وہ محبت سے دشمن کو دوست بنا لیتے اور تم دوست کو عداوت سے دشمن بنانا چاہتے ہو؟ یا دوست نہ سہی دشمن کو اور بھی زیادہ دشمن بنانا چاہتے ہو؟

اس مذہبی معاملہ میں مسلمان مسٹر گاندھی کی اقتداء میں

کیا تم کو یہ نظر نہیں آتا کہ تم اس صحیح راستہ کو ترک کرکے کہاں کہاں دھکے کھاتے پھرتے ہو؟ اوّل تو تمام علماء و فضلاء کو چھوڑ کر ایک غیر مسلم کو تم نے لیڈر بنایا ہے کیا اسلام اب اس حد تک گر گیا ہے کہ اس کے ماننے والوں میں سے ایک روح بھی اس قابلیت کی نہیں ہے کہ اس طوفان کے وقت میں اس کشتی کو بھنور سے نکالے اور کامیابی کے کنارے پہنچائے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی اس قدر غیرت بھی نہیں رہی کہ وہ ایسے خطرناک وقت میں کوئی ایسا شخص پیدا کر دے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شاگرد اور آپؐ کے خدام میں سے ہو اور جو اس وقت مسلمانوں کو اس راستہ پر چلائے اور جوان کو کامیابی کی منزل تک پہنچائے؟ آہ! تمہاری گستاخیاں یہ کیا رنگ لائیں؟ پہلے تو تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیحؑ ناصری کا ممنون منت بنایا کرتے تھے اب مسٹر گاندھی کا مرہون احسان بنانے ہو؟ اگر یہ درست ہے کہ ترک موالات سے ایک دو سال میں تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ گے تو اسلام کی دوبارہ زندگی یقیناً مسٹر گاندھی کے ہاتھوں ہوگی اور نعوذ باللہ من ذالک ابدالاباد تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بار احسان سے ان کے سامنے جھکا رہے گا کیونکہ مسٹر گاندھی نے آپؐ سے کچھ نہیں لیا اور آپؐ گویا سبھی کچھ مسٹر گاندھی کی عطا سے پاویں گے۔ اے کاش! اس خیال کے دل میں آنے سے پہلے تم نے اس دل ہی کو کیوں نہ نکال کر باہر پھینک دیا؟ مسٹر گاندھی بے شک ایک سنجیدہ اور محنتی سیاسی لیڈر ہیں لیکن ان کو اس امر میں راہنما بنانا جس پر تم اسلام کی زندگی اور موت کا انحصار سمجھتے ہو اور جسے تم اہم ترین مذہبی فرائض میں سے خیال کرتے ہو قابلِ افسوس و حیرت نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا حضرت مسیحؑ ناصری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محسن بنا کر تم نے خدا کی غیرت کا مشاہدہ نہ کیا؟ خدا کا مسیحؑ تم کو ہزار سمجھاتا تھا کہ یہ غضب نہ کرو کہ اسلام سے باہر کے نبی کو لا کر اسلام کا مصلح بناؤ اور رسول کریمؐ کو اس کا ممنون بناؤ۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرو اور اس کی عزت بڑھاؤ۔ پہلے اس حرکت کی سزا بہت کچھ پا چکے ہو اور اب

اور دیکھو گے۔ جب تم نے مسیحؑ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی تو خدا تعالیٰ کیوں مسیحیوں کو تم پر فضیلت نہ دے تم نے اس کی آواز کو نہ سُنا اور آخر دیکھ لیا کہ خدا کی گرفت کیسی سخت ہوتی ہے تم نے خدا کے محبوبؐ کو حضرت مسیحؑ کا احسان مند بنا کر اس کی گردن اس کے سامنے جُھکائی تھی خدا نے تمہاری گردنوں کو ہر جگہ مسیحیوں کے آگے جُھکا دیا ہے۔ پس یہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کا ثمرہ ہے اب تم دوسری غلطی کرنے لگے ہو۔ حضرت مسیحؑ تو خیر ایک نبی تھے اب جس شخص کو تم نے اپنا مذہبی راہنما بنایا ہے وہ تو ایک مؤمن بھی نہیں۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہتک کا نتیجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت دیکھو گے اور اگر باز نہ آئے تو اس جرم میں مسٹر گاندھی کی قوم کی غلامی اس سے زیادہ تم کو کرنی پڑے گی جتنی کہ حضرت مسیحؑ کی اُمت کی غلامی تم کہتے ہو کہ ہمیں کرنی پڑی ہے۔ پس اب بھی سنبھل جاؤ اور سمجھ لو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا نجات دہندہ آپؐ ہی کے غلاموں میں سے ہو سکتا ہے جس کی گردن آپؐ کے سامنے جُھکی رہے نہ یہ کہ آپؐ کو اس کے آگے گردن جُھکانی پڑے۔

اس سوال کا جواب کہ برسوں موالات بلکہ پرستش تک بھی کر کے ہم نے اس کا نتیجہ دیکھ لیا

تمہارے دل میں یہ خیال نہ گزرے کہ ہم نے موالات کر کے دیکھ لی اور برسوں برطانوی حکومت کی دہلیز پر جبین نیاز رگڑ کر معلوم کر لیا کہ اس دروازہ سے ہمارا سوال پورا ہونے والا نہیں اور اس درگاہ سے ہماری مراد بر آنے والی نہیں۔ ہم نے ان کی غلامی کی، ہم نے ان کی خوشامد کی، ہم نے ان کی منت کی، ہم نے ان کی سماجت کی، ہم نے اگر سچ پوچھو تو ان کی پرستش کی مگر نتیجہ یہی نکلا کہ انہوں نے ہمارے ہی ہاتھوں ہمارے بھائیوں کے گلے کٹوائے اور پھر ہمیں بھی جواب دے دیا اور اسی گڑھے میں ہم کو دھکیل دیا جو ہمیں سے کھدوایا تھا۔ مَیں مانتا ہوں کہ یہ بات درست ہے تم نے اسی طرح کیا جس طرح تم بیان کرتے ہو کہ تم نے کیا اور انہوں نے بھی ویسا ہی بدلہ دیا جیسا کہ تم بیان کرتے ہو۔ مگر جانتے ہو کہ "اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ"★ کیا یہ سب کچھ کوشش تم نے اسلام کی عظمت اور اس کی ترقی کے لئے کی تھی؟ تم نے ان کی خوشامدیں کیں مگر اپنی جیبوں کو پُر کرنے کے لئے کیں، خطابوں کے لئے کیں، نوکریوں کے لئے کیں، جھوٹی عزتوں کے لئے کیں۔ تم ان سے ملے اور ان سے محبت کے اظہار تم نے کئے مگر کیا اس لئے کہ اس طرح تم ان کے دلوں کو اسلام کے لئے فتح کرو؟ تم اس لئے ملے تا ان سے سرٹیفکیٹ حاصل کرو، خوشنودی کے پروانے لو، تم نے محبت کے اظہار کئے مگر اس لئے کئے کہ ان کی نگاہ مہر

★ بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

کے تم بھوکے تھے، ان کی مسکراہٹ کو تم اپنی سب حاجتوں کے پورا ہونے کی کلید سمجھتے تھے، ان کی نظر کو تم اپنے لئے خُدا کی نظر سے زیادہ مبارک خیال کرتے تھے۔ بے شک تم نے گھٹنوں اور پیروں جبیں نیاز رگڑی بلکہ یوں کہو کہ تم نے اس قدر ناک رگڑی کہ تمہاری ناک ہی باقی نہ رہی مگر اس سے یہی ثابت کیا کہ تم منہ سے تو خدائے واحد کے پرستار ہو لیکن اصل میں تم بیسہ کے یار ہو۔ اس کی خاطر تم کو ذلیل سے ذلیل کام کرنے میں بھی عار نہیں۔ تم اس کے پیچھے خدا تعالیٰ کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار ہو۔ تم نے کالجوں میں تعلیم پائی اور ان کی زبان سیکھی اور ضرور سیکھی لیکن کیا اس لئے کہ اس زبان کو سیکھ کر تم ان ہی کی زبان میں ان کو حق پہنچاؤ ان کے وساوس کو معلوم کر کے ان کے دُور کرنے کی کوشش کرو، اسلام کی خوبیوں سے ان کو واقف کرو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو پیغام پہنچاؤ؟ نہیں بلکہ اس لئے کہ تم زیادہ عمدگی سے ان کے آگے سوال کر سکو اور ان ہی کی زبان میں ان کے گیت گا سکو۔ تم نے ان کی زبان کیوں پڑھی؟ کیا قرآن کی خدمت کے لئے؟ تم تو اس کو پڑھ کر خدا کی باتوں کو بھول گئے۔ تم نے خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور برکلے اور ہیگل اور سپنسر تمہاری نظروں سے ایک دم کے لئے جُدا نہ ہوتے تھے تم نے بجائے خدا کے رسولؐ کی باتوں کے پہنچانے میں اس زبان سے مدد لینے کے بخاری اور مسلم کا نام تک بھلا دیا۔ ڈارون اور ہکسلے اور جیمز کا وظیفہ ہر دم تمہاری زبان پر رہنے لگا۔ تم کہو گے کہ یہ انگریزی تعلیم کا نقص تھا۔ مَیں کہتا ہوں یہ تعلیم کا نقص نہ تھا یہ تمہاری نیتوں کا نقص تھا۔ اگر تم خدا اور رسولؐ کی محبت رکھتے اگر اسلام کو تم نے خود سمجھا ہوتا تو کیا تم اپنی اولاد کے لئے نورِ ایمان کی فکر نہ کرتے اگر تم ذرا بھی توجہ کرتے تو کیا نُورِ ظلمت کے سامنے ٹھہر سکتا؟ آؤ تو مَیں تم کو تمہارے ہی بچوں جیسے اور بچے دکھاؤں جو تمہارے بچوں کی طرح کالجوں میں ان ہی پروفیسروں سے پڑھتے ہیں، وہی کتابیں وہ پڑھتے ہیں جو تمہارے بچے پڑھتے ہیں، ان ہی یونیورسٹیوں کا امتحان دیتے ہیں جن کا وہ دیتے ہیں لیکن ان کے دل نورِ ایمان سے معمور ہیں۔ وہ قرآنِ کریم کو اس لئے نہیں مانتے کہ ان کے باپ دادا اس کو مانتے تھے بلکہ اس لئے کہ اس کو انہوں نے خود پڑھا اور اس کو سچا پایا ہے۔ وہ اس کو قسمیں کھانے کا آلہ نہیں جانتے بلکہ اسے خدا تعالیٰ سے ملنے کا دروازہ خیال کرتے ہیں اس کو بند کر کے رکھ نہیں چھوڑتے اس کی تلاوت کرتے ہیں طوطے کی طرح نہیں رٹتے بلکہ سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ وہ نمازوں کے عادی ہیں، روزوں کا خیال رکھتے ہیں، دُعا کے منکر نہیں دُعاؤں کو اپنی زندگی کا سہارا جانتے ہیں۔ غرض اسلام ان کا شعار ہے خدا کی محبت ان کی رُوح ہے اور اس کا ذکر ان کی غذا ہے اور اس کے رسولؐ کی ہر ایک بات ان کو پیاری ہے پس یہ نقص کالجوں کا نہیں،

کورسوں کا نہیں، یونیورسٹیوں کا نہیں، یہ سب تمہاری غفلت اور تمہاری سستی کا نتیجہ ہے۔

فوجی خدمات سے تمہارا مقصود کیا تھا

میں پھر اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم جنگ میں گئے اور تم نے خوب جانبازیاں کیں اور ترکوں کو مارا اور ان کے خون سے میدان کو رنگ دیا۔ مگر کیا خدا کے لئے ایسا کیا؟ اس لئے کیا کہ خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنے حاکم کی اطاعت کرو؟ یا جس وقت فوج میں بھرتی ہوتے تھے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ ہم کافر ہو رہے ہیں اور دس دس روپے کے لئے اپنی جانیں شیطان کے ہاتھ بیچ رہے ہیں اور ہر ایک کارِ نمایاں جو تم سے ہوتا تھا اس کے بدلے اپنے افسروں کو زمینوں کی درخواستوں اور خطابات سے گھبرا دیتے تھے۔ جس غرض سے تم یہ سب کام کرتے تھے وہ غرض تمہاری ایک حد تک پوری ہو گئی۔ خطاب بھی تم نے پائے، نوکریاں بھی حاصل ہوئیں، جاگیریں بھی ملیں، تمغے بھی لگے، غرض تمہارا معراج تم کو حاصل ہو گیا۔ اب اور کون سا تمہارا حق تھا جس کے بدلے میں تم نے انگریزوں سے ترکوں کی جان بخشی کا سوال کیا ہے؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ تم مذہباً اس جنگ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور صرف نوکریوں کی خاطر یا انعام حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ کو خوش کرنے کے لئے یا خطابوں اور جاگیروں کی خواہشات سے فوج میں بھرتی ہو کر جا رہے ہو الّا ماشاء اللہ۔ پھر جب وہ دیکھتے تھے کہ تم اپنے عقیدہ کو جو گو غلط تھا مگر بہرحال تم اس کو مانتے تھے دنیوی فوائد کے لئے قربان کر رہے ہو تو ان کے دلوں پر اسلام کی تعلیم کا کیا اثر ہوتا اور اس موالات سے وہ اسلام کے قریب کیونکر آتے؟

یہ بدنتیجہ تم نے موالات کا نہیں بلکہ اپنی نیتوں کا پایا

پس یہ غلط ہے کہ تم نے موالات کا تجربہ کر لیا اور اس کو نقصان دہ پایا۔ تم نے موالات کا بدنتیجہ نہیں دیکھا بلکہ اپنی نیتوں کا بدنتیجہ دیکھا اگر تم ان کو اسلام کی خوبیوں کا قائل کرنے کے لئے ان سے ملتے اپنے کاموں میں دیانتداری اور اخلاص کا نمونہ دکھا کر اسلام کی تعلیم کا اثر ان پر ثابت کرتے، موقع ملنے پر اسلام کے متعلق گفتگو کرتے اور ان کی پرستش نہ کرتے بلکہ ان کو خدائے واحد کی طرف توجہ دلاتے تو کیا ان کے دل پتھر کے تھے کہ ان پر اثر نہ ہوتا؟ وہ انسان ہیں اور حسن پر فدا ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جب ان کی آنکھیں خدا کے ایک نبیؑ کو دیکھ کر چندھیا گئیں تو جب وہ خود اللہ تعالیٰ کا چہرہ دیکھیں گے تو کیا اس کے نور سے ان کی آنکھیں منور نہ ہوں گی؟ جب حضرت مسیحؑ نے ان کو فریفتہ کر لیا تو کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دلوں پر قابو نہ پائیں گے؟

یقیناً پائیں گے اور ضرور پائیں گے مگر صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنی پہلی گندی نیتوں کو بدل کر تم میں سے ہر ایک خدا کا بندہ اور اسلام کا شیدائی اور اس کا مبلغ بن کر ان سے موالات کرے یہاں تک کہ وہ وقت آجاوے جب خدا تعالیٰ کا کلام پورا ہو اور وہ جو آج دشمن ہے کل اسی طرح تمہارا دوست اور اسلام کا دلدادہ ہو۔ جس طرح کسی وقت تمہارے آباء کی موالات کے اثر سے بغداد کو تباہ کرنے والا اور عباسی خلافت کو مٹانے والا ترک اسلام کا دلدادہ ہو گیا تھا۔

عیسائیت تمہارا شکار ہے جو تمہارے گھر میں آگیا ہے

تم غصہ میں ہو کہ یہ لوگ ہماری غفلت سے فائدہ اُٹھا کر ہمارے گھر میں گھس آئے ہیں لیکن مسلم تو شیر ہوتا ہے کیا شیر بھی افسوس کرتا ہے کہ اس کا شکار اس کی کچھار میں گھس آیا۔ وہ اس کو حیلوں سے باہر نکالنا چاہتا ہے یا اس کو اپنا شکار بنانا چاہتا ہے؟ جس طرح تمہارے آباء نے اس وقت جب ترک ان کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر عراق میں گھس آئے تھے ان کو ترک موالات کا ہتھیار استعمال کر کے باہر نہیں نکالا بلکہ ان پر موالات کی کمند ڈال کر ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لیا۔ تم کیوں اسی طرح نہیں کرتے؟ اگر تم سچے ہو تو ہر ایک شخص جو تمہارے راستہ میں آتا ہے تمہارا شکار ہے۔ بے شک یہ افسوس کی بات ہے کہ تمہارے شکار کو یہ جرأت ہوئی کہ خود تمہارے راستہ میں آتا ہے مگر جب وہ آگیا تو اب اس کی آمد سے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور آئندہ کے لئے اپنی غفلت کو ترک کرنا چاہئے۔

ارض مقدسہ کا تمہارے ہاتھ سے نکلنا اور اس کے متعلق سابقہ نوشتے

تم چڑتے ہو کہ ارض مقدسہ تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی مگر کیا تم قرآن کریم کو کھول کر نہیں دیکھتے کہ ارض مقدسہ کا ملنا ترک موالات پر مقدر نہیں ہے بلکہ عبادت پر۔ اور زبور کو نہیں کھولتے جس کا حوالہ خود قرآن کریم نے دیا ہے جہاں صاف لکھا ہے کہ ارضِ مقدسہ جب غیر قوموں کے ہاتھ میں چلی جاوے تو غصہ نہ ہوجیو اور کڑھیو نہیں اور نہ جوش میں آجائیو تا ایسا نہ ہو اس جوش کی حالت میں تو کوئی بُرا کام کر بیٹھے بلکہ صبر سے اس وقت کا انتظار کیجیو۔ جب خود اللہ تعالیٰ تیری مدد کو آوے گا۔ پس اسی پیشگوئی کو مدِ نظر رکھو اور خدا تعالیٰ کے حضور میں گر گر اس کے سچے عبد ہونے کی کوشش کرو تا وہ تمہاری مصیبتوں کو دُور کر دے اور ایسے نازک وقت میں قرآن کریم کی تعلیم کو بگاڑ کر خدا تعالیٰ کے غضب کو مت بھڑکاؤ۔ وہ جو امن پھیلانے کے لئے آیا تھا اور رحمت کا فرشتہ تھا اسے دشمنوں کی نظر میں ایک آتشی دیو ثابت نہ کرو۔ بلکہ دوسروں

کو جو سرکشی پر آمادہ ہوں روکو اور قرآنِ کریم کی قوتِ قدسیہ پر یقین رکھتے ہوئے اور اس کے اثر پر ایمان لاتے ہوئے ان اقوام کے اندر گھس جاؤ جو آج اسلام کی مُنکر ہیں تا وہ اس سے روشنی لیں۔ یہ یقین نہ کرو کہ تمہارے دُور ہونے سے ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ دشمنی انسان کی آنکھ کو بند کر دیتی ہے عداوت اندھا کر دیتی ہے پس عداوت اور فتنہ کا بیج مت بوؤ اور صُلح اور آشتی کے کے ساتھ کام کرو اور نا امیدی کو پاس پھٹکنے مت دو کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرنا پھونکی گئی ہے۔ بشارت اور خوش خبری کی قرنا۔ اسلام کی فتح اور کامیابی کی قرنا۔ وہی جو آج سے پہلے وقتاً فوقتاً پھونکی جاتی رہی ہے اور جو جب جب پھُونکی جاتی رہی ہے۔ اس نے دُنیا میں ایک حشر برپا کر دیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے اسلام کی حالت کو دیکھ کر خدا کے فضل کو جذب کیا ہے جو مسیح موعودؑ کی شکل میں اس دُنیا پر ظاہر ہوا ہے۔ پس اسلام کی فتح سے نا اُمید نہ ہو اس کی فتح تو ضرور ہو کر رہے گی۔ تم اپنی فکر کرو کہ ایسا نہ ہو دوسرے کاموں میں لگے رہو اور اس برکت کے پانے سے محروم رہو جس کی دُنیا کو تیرہ سو سال سے اُمید تھی اور جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سلام بھیجا تھا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاکسار

میرزا محمود احمد

۱؎ DYER, REGINALD EDWARD HARRY (۱۸۶۴ء-۱۹۲۷ء) برٹش آرمی جرنل جس نے اپریل ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں نہتے عوام پر فائر کھولنے کا حکم دیا جس سے تین سو سے زائد افراد ہلاک اور بارہ (۱۲۰۰) سو زخمی ہوئے (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۷ صفحہ ۷۹۶ زیر لفظ "DYER")

۲؎ BERKELEY, GEORGE (۱۶۸۵ء - ۱۷۵۳ء) برطانوی فلسفی۔ جس نے مصنوعی تصوریت (Subjective Idealism) کو استدلالی طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ا صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳؎ HEGEL, GEORGE WILHELM FRIEDRICH (۱۷۷۰ء-۱۸۳۰ء) جرمن مفکر (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۴؎ JAMES, WILLIAM (۱۸۴۲ء-۱۹۱۰ء) امریکی فلسفی
(A HISTORY OF PHILOSOPHY, VOL.VIII, PAGE 330, LONDON)